فقہ حنفی و فتاویٰ عالمگیری پر اعتراضات کا

393

علمی محاسبہ

حصہ اول

از :-

عاشق مدینہ شیخ الحدیث و التفسیر فقیہ العصر حضرت علامہ

و البیان الحافظ محمد احسان الحق صاحب رحمۃ اللہ علیہ

ند مدرس جامعہ رضویہ مظہر اسلام فیصل آباد

ناشر :-

[illegible]

۷۸۶
۹۲

52937

نام ——— فقہ حنفی وفتاویٰ عالمگیری پر اعتراضات کا علمی محاسبہ (حصہ اول)

مصنف ——— عاشق مدینہ شیخ الحدیث والتفسیر حضرت علامہ مولانا ابوالبیان
حافظ محمد احسان الحق رحمۃ اللہ علیہ

ناشر ——— عاشق مدینہ اکیڈمی۔ فیصل آباد

قیمت ——— ۱۲/-

تعداد ——— ایک ہزار

تاریخ اشاعت ۲۳ ربیع الآخر ۱۴۱۰ھ ۲۳ [redacted] نومبر

(393)

۷۸۶

عرضِ ناشر

محترم قارئین کرام

السلام علیکم !

عاشقِ مدینہ، شیخ الحدیث والتفسیر حضرت علامہ مولانا حافظ محمد احسان الحق رحمۃ اللہ علیہ کا وصال یقیناً بہت بڑا صدمہ ہے۔ چونکہ نمازِ جنازہ کے موقع پر مناظرِ اسلام علامہ سعید احمد اسعد کی طرف سے اعلان کیا گیا تھا کہ فقہ حنفی کی معتبر کتاب "فتاوی عالمگیری" پر اعتراضات کے جوابات پر مشتمل آپ رحمۃ اللہ علیہ کی تصنیف چہلم کی تقریب پر شائع کی جائے گی۔ وقت بہت کم تھا اور کتاب کی کتابت و طباعت بھی کروانا تھی۔ چونکہ وعدہ کیا جا چکا تھا۔ لہٰذا پوری کوشش کے بعد کتاب کا فقط پہلا حصہ حاضرِ خدمت ہے۔ ان شاء اللہ تعالیٰ بہت جلد دوسرا حصہ بھی پیش کر دیا جائے گا۔

ناظم شعبہ نشر و اشاعت

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ہ

نَحْمَدُہٗ وَنُصَلِّیْ عَلٰی رَسُوْلِہِ الْکَرِیْمِ وَعَلٰی اٰلِہٖ

وَاَصْحَابِہٖ اَجْمَعِیْنَ ہ اَمَّا بَعْدُ۔

روزنامہ امروز لاہور میں بتاریخ ۳ر جنوری ۱۹۷۹ء پروفیسر رفیع اللہ شہاب کا ایک مضمون "کیا فتاویٰ عالمگیری قابلِ عمل ضابطہ ہے" ؟ کا ترجمہ شائع ہوا۔ پروفیسر صاحب نے درج ذیل حقائق کو تسلیم فرمالیا ہے :۔

- شہنشاہ عالمگیر نامی مذہبی محقق تھے ۔
- انہوں نے بنفسِ نفیس حنفی فقہ کی تمام معیاری کتب کا مطالعہ کیا ۔
- اس فتاویٰ کو تمام مملکت کے اندر رائج کر دیا گیا ۔
- فتاویٰ عالمگیری شہنشاہ کی نگرانی میں ترتیب دیا گیا
- فتاویٰ کو پانچ سو مسلّم فقہا نے ترتیب دیا ۔"

رسولِ اکرم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ارشاد فرمایا : مَنْ یُّرِدِ اللّٰہُ بِہٖ خَیْرًا یُّفَقِّھْہُ فِی الدِّیْنِ "یعنی جس کے ساتھ اللہ تعالیٰ بھلائی کا ارادہ فرماتا ہے اسے علومِ دینیہ میں "فقیہ" بنا دیتا ہے "۔ (مشکوٰۃ شریف ص۳۲) نیز فرمایا ۔ فَقِیْہٌ وَاحِدٌ اَشَدُّ عَلَی الشَّیْطَانِ مِنْ اَلْفِ عَابِدٍ یعنی ایک فقیہ شیطان پر ہزار عابد سے زیادہ سخت ہوتا ہے (مشکوٰۃ ص۳۴)

پروفیسر : صاحب کی تسلیم کردہ حقیقتوں کو مندرجہ بالا حدیثوں کے ساتھ ملانے سے پتہ چلتا ہے کہ جو کام "فتاویٰ عالمگیری" کو مرتب کرنے والے فقہا نے کیا وہ کام پانچ لاکھ عابدین (غیر فقہا) بھی نہیں کر سکتے اگرچہ وہ سب کے سب پروفیسر ہوں۔ اس

لیے عقل مندی یہی ہے اور پاکستانی مسلمانوں کی سچی خیر خواہی اس میں مضمر ہے کہ یہاں "فتاویٰ عالمگیری" کو قابلِ عمل ضابطۂ عمل قرار دے کر فی الفور نافذ کر دیا جائے۔ کیونکہ عالمگیر جیسا نیک اور محقق شہنشاہ آج نہیں ملتا۔ اور اُس وقت کے پانچ سو فقہا آج ناپید ہیں۔ انہیں زمانۂ رسالت مآب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے قرب حاصل ہونے کی وجہ سے ہم پر بدرجہا برتری حاصل تھی۔ وہ اِن کدورتوں اور ظلمتوں سے بھی پاک تھے۔ جو انگریز کی ڈیڑھ سو سالہ غلامی کے ناپاک دور کی نحوستوں کی بدولت آج کل کے بعض مدعیان علم و فضل میں پائی جاتی ہیں نیز وہ علماء اہلِ سُنّت کے، علماء دیوبند کے اور علماء اہلِ حدیث کے آباؤ اجداد تھے "اہل حدیث" بھی معترف ہیں کہ "ان کے میاں نذیر حسین صاحب کے بعض اجداد اس وقت عہدۂ قضا پر فائز تھے (الحیات بعد الممات صـ ۱۲-۱۳)

بنا بریں حنفی علماء کی طرح اہل حدیث حضرات کو بھی "فتاویٰ عالمگیری" کے نام سے گھبرانا نہیں چاہیے۔ بلکہ اس کے نفاذ کا مطالبہ کرنا چاہیے۔

دوالیبی: جس طرح شاہ خالد کے مشیر ڈاکٹر معروف احمد صاحب دوالیبی نے تسلیم کیا ہے۔ موصوف نے ریڈیو پاکستان سے ایک انٹرویو میں کہا کہ "پاکستان میں اسلامی نظام کو نافذ کرنے میں کوئی دشواری پیش نہیں آئے گی کیونکہ اس ملک میں اسلامی شریعت صدیوں تک نافذ رہی ہے۔ صرف انگریزوں کے دور میں برطانیہ نے یہاں سے اسلامی قوانین ختم کر کے اپنے قوانین نافذ کر دیئے تھے۔" (روزنامہ مشرق لاہور ۱۳ اکتوبر ۱۹۷۸ء)

جن قوانین کو انگریز نے ختم کیا تھا ان ہی کے مجموعہ کا نام "فتاویٰ عالمگیری" ہے اور ان ہی کو ڈاکٹر صاحب نے اسلامی نظام اور اسلامی شریعت قرار دیا ہے۔ ڈاکٹر صاحب کچھ ذی علم معلوم ہوتے ہیں اس لیے انہوں نے درست کہا ہے اور پروفیسر صاحب دینی علوم میں کافی کمزور نظر آتے ہیں اس لیے انہوں نے "فتاوی عالمگیری" پر اعتراض کیے اور جا بجا ٹھوکریں کھائیں۔ ذیل میں پروفیسر صاحب کے اعتراضات اور ان کے جوابات عرض کیے جاتے ہیں۔

اعتراض نمبر۱: بعض حنفی فقہانے اسلامی ریاست کے سربراہِ اعلیٰ کو زنا چوری شراب نوشی یا کسی پر زنا کا جھوٹا الزام لگانے کی حدود سے مستثنیٰ قرار دیا ہے (ملخصاً)

جواب: پروفیسر صاحب نے حنفی فقہا کی عبارات سمجھنے کی کوشش نہیں کی۔ فقہا کرام ایسے بدکردار کو اولاً سربراہ مملکت بننے نہیں دیتے۔ اگر بدقسمتی سے تجرباً سربراہ مملکت بن جائے تو اس کے معزول کرنے کے مناسب اقدامات فرماتے ہیں کیونکہ جب تک وہ ریاست کا سربراہ اعلیٰ ہے تب تک اس کے اوپر "قوۃ نافذۃ" قائم نہیں ہوسکتی اور حدودِ خداوندی کا نفاذ "قوۃ نافذہ" کے بغیر ممکن نہیں۔ پہلے اثارۃ فتنہ کے بغیر اس بدکردار سربراہ کو معزول کیا جائے گا پھر مقدمہ چلایا جائے گا پھر حدود نافذ کی جائیں گی ـــــ اگر پروفیسر صاحب چودہ سوسالہ اسلامی تاریخ کا بغور مطالعہ کرتے تو انہیں معلوم ہوجاتا کہ بارہا سربراہان مملکت نے ایسے جرموں کا ارتکاب کیا مگر ان پر بزمانہ ان کی سربراہی کے حد جاری نہ کی گئی ـــــ پتہ چلا کہ یہ مسئلہ صرف بعض حنفی فقہاء کا نہیں بلکہ سب کا متفقہ ہے۔ ہدایہ ج۲ ص۵۱۶ میں اس مسئلہ کی دلیل یہ لکھی ہے۔ لِاَنَّ الحَدُّ حَقُّ اللّٰہِ تَعَالٰی وَاِقَامَتُھَا اِلَیْہِ ..... بِخِلَافِ حُقُوقِ العِبَادِ یعنی حد چونکہ اللہ تعالیٰ کا حق ہے اور اس کا قائم کرنا صرف سربراہ اعلیٰ کے ذمہ ہے اور وہ خود اپنی ذات پر اسے قائم نہیں کرسکتا (لہٰذا اس سے بجائے دنیا کے آخرت میں مؤاخذہ ہوگا) البتہ اس سے حقوق العباد طلب کیے جاسکتے ہیں جبکہ صاحبِ حق معاف نہ کرے (مثلہ فی تبیین الحقائق ص۱۸۷ جلد ۳)

اعتراض نمبر۲: ہم چور کی سزا کو لیتے ہیں اسلام مسلمانوں پر زور دیتا ہے کہ وہ اپنی جائز اور ایمانداری کی کمائی پر قانع رہیں اور کسی دوسرے کی جائیداد کو ہتھیانا اتنا بڑا جرم سمجھا جاتا ہے کہ اس کی سزا ہاتھ کاٹ دینا ہے۔ لیکن فتاویٰ ہندیہ (عالمگیری) میں چوری کے اثبات کے لیے اس قسم کی شرائط عائد کردی گئی ہیں کہ حد کی سزا اگر کبھی ہو تو بمشکل ہی نافذ کی جاسکتی ہے۔ سوائے اس کے کہ چور خود ہی اپنے جرم کا اقرار کرے۔

جواب: پروفیسر صاحب نے نہ اسلام کو سمجھا ہے نہ "فتاویٰ عالمگیری" کو۔ اسلام میں یہ کہاں

لکھا ہے کہ کسی کی جائیداد ہتھیانے کی تمام صورتوں میں ہاتھ کاٹا جائے گا۔ بلکہ بعض صورتوں میں ہاتھ کاٹنے کی بجائے دوسری سزائیں ارشاد فرمائی گئی ہیں۔ دیکھئے سود حرام قطعی ہے لیکن اس کی سزا ہاتھ کاٹنا نہیں بلکہ لعنت وجہنم ہے۔ نیز حدیث شریف میں ہے۔ لَا تُقْطَعُ فِیْ ثَمَرٍ مُعَلَّقٍ وَلَا فِیْ حَرِیْسَۃِ جَبَلٍ۔ لَیْسَ عَلٰی خَائِنٍ وَلَا مُنْتَہِبٍ وَلَا مُخْتَلِسٍ قَطْعٌ۔ مَنِ انْتَہَبَ نَہْبَۃً مَشْہُوْرَۃً فَلَیْسَ مِنَّا یعنی لٹکے ہوئے پھلوں کی اور پہاڑ میں محفوظ چیزوں کی چوری ہو جائے تو ہاتھ نہ کاٹا جائے گا۔ جو شخص کسی کا مال بذریعہ خیانت یا بذریعہ لٹیرا پن ہتھیالے یا اچک کرلے جائے تو اس کا ہاتھ نہ کاٹا جائے گا۔ ہاں لٹیرا ہماری جماعت سے خارج ہے (مشکوٰۃ ص ۳۱۳)

پروفیسر: صاحب تمام انسان اللہ کے بندے ہیں اور رسولِ کریم (علیہ التحیۃ والتسلیم) کے امتی۔ جب اللہ ورسول سب مجرموں کے ہاتھ کٹوانا نہیں چاہتے بلکہ بعض کو بعض دیگر سزاؤں میں مبتلا رکھنا چاہتے ہیں۔ تو آپ کو سب کے ہاتھ کاٹنے پر کیوں اصرار ہے؟ "فتاویٰ ہندیہ" کی جملہ دفعات قرآن وحدیث پر مبنی ہیں۔ آپ نہ سمجھ سکے تو قصور کس کا؟

اعتراض ۳: اگر کوئی چور مجرم ہونے کا اقرار کرے تو مسلم حاکم کا یہ فرض ہوگا کہ وہ اسے اپنے اعتراف سے پھر جانے کی ترغیب دے تاکہ وہ حد کی سزا سے بچ جائے۔

جواب: پروفیسر صاحب نے "فرض ہوگا" کے الفاظ اپنی طرف سے کہے ہیں، کتاب میں ان کا ذکر نہیں۔ فتاویٰ عالمگیری کی اصل عبارت ملاحظہ ہو۔ یَنْبَغِیْ اَنْ یُّلَقِّنَ الْمُقِرَّ الرُّجُوْعَ اِحْتِیَالًا لِلدَّرْءِ وَاِذَا رَجَعَ عَنِ الْاِقْرَارِ صَحَّ فِی الْقَطْعِ وَلَا یَصِحُّ فِی الْمَالِ یعنی اگر کوئی شخص اقرار کرے کہ میں نے فلاں شخص کی چوری کی ہے تو مناسب ہوگا کہ مقر کو اقرار سے رجوع کرنے کی تلقین کی جائے تاکہ وہ رجوع کے سبب حد سرقہ سے بچ جائے۔ لیکن اس رجوع سے صرف اتنا فائدہ ہوگا کہ اس کا ہاتھ نہ کاٹا جائے گا۔ باقی رہا مال وہ ضروری طور پر حسبِ اعتراف اس سے برآمد کیا جائے گا (ج ۲ ص ۱۷۱)

حدیث شریف: یہ مسئلہ دل سے نہیں بنایا گیا۔ بلکہ درج ذیل حدیث سے مستنبط ہے ایک

دفعہ ایک شخص نے بارگاہِ اقدس سیّدِ عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلّم میں حاضر ہوکر اعتراف جرم کیا تو آپ نے اسے تلقین فرمائی کہ اِرۡجِعۡ فَاسۡتَغۡفِرِاللّٰہَ وَتُبۡ اِلَیۡہِ رجوع کر۔ اللہ سے معافی مانگ اور توبہ کر (مشکوٰۃ صـ۳۱۱) مگر اس نے اعترافِ جرم سے رجوع نہ کیا تو آپ نے سنگسار کرنے کا حکم دیا۔ جب اس پر سنگساری شروع کی گئی تو وہ بھاگ پڑا۔ سنگسار کنندگان میں سے بعض نے تعاقب کرکے اس کا کام تمام کردیا (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) پھر یہ واقعہ سیّدِ عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے حضور عرض کیا گیا تو آپ نے فرمایا۔ ھَلَّا تَرَکۡتُمُوۡہُ لَعَلَّہٗ اَنۡ یَّتُوۡبَ فَیَتُوۡبَ اللّٰہُ عَلَیۡہِ ۔ تم نے اسے (چھوڑ دینا تھا) چھوڑا کیوں نہیں۔ (بھاگنے کے بعد کیوں قتل کیا) شاید کہ وہ اعترافِ جرم سے رجوع کرلیتا تو اللہ تعالیٰ اس کا رجوع قبول فرمالیتا (مشکوٰۃ صـ۳۱۱-۳۱۲)

اعتراض ۴: اگر چور اعترافِ جرم کے بعد عدالت یا سزا کی جگہ سے فرار ہوجاتا ہے تو اس کا تعاقب نہیں کیا جائے گا۔

جواب: پچھلے اعتراض کے جواب میں غور کرنے سے اس اعتراض کا جواب بھی معلوم ہوجاتا ہے کہ جو جرم شہادت کے بغیر محض اعتراف جرم کی بنیاد پر ثابت ہو اس سے اگر مجرم رجوع کرلے تو حد ساقط ہو جاتی ہے۔ پھر چونکہ حدیثِ مذکور سے پتہ چلتا ہے کہ فرار بھی رجوع کی دلیل بن سکتا ہے لہٰذا جو شخص سزا کی جگہ سے فرار ہو جائے گا اس کا تعاقب حد قائم کرنے کے لیے ہرگز نہیں کیا جائے گا۔ ہاں جس رقم کا اس نے اعتراف کیا ہے وہ ضرور وصول کی جائے گی۔

پروفیسر صاحب نے چوری کی بابت کچھ اور اعتراض بھی کیے ہیں وہ بھی سب کے سب اسی طرح بے معنی ہیں اور مندرجہ بالا سطور میں غور کرنے سے سب کے جوابات معلوم ہوجاتے ہیں۔ بنا بریں ان سے صرف نظر کرکے آگے بڑھتا ہوں۔

اعتراض ۵: اسلام کی رو سے زنا ایسے شرمناک جرم میں مجرم سخت سزا کا مستحق سمجھا جاتا ہے لیکن فتویٰ ہندیہ (عالمگیری) نے رو رعایت کا ایسا طریقہ اختیار کیا ہے کہ حد کی سزا بشکل ہی نافذ کی جا سکتی ہے۔ سوا اس کے کہ مجرم خود اپنے جرم کا اعتراف کرے۔

جواب: پروفیسر صاحب نے غلط بیانی کی ہے مجرم کے اعتراف کے بغیر بذریعہ شہادتِ معتبرہ بھی ثبوت زنا ہو سکتا ہے۔ مجرم کا معترف ہونا شرط نہیں۔ فتاویٰ عالمگیری میں ہے۔ یَثْبُتُ الزِّنَا عِنْدَ الْحَاکِمِ ظَاهِرًا بِشَهَادَةِ اَرْبَعَةٍ یَشْهَدُوْنَ عَلَیْهِ بِلَفْظِ الزِّنَا یعنی حاکم وقت کے پاس چار آدمی گواہی دیں کہ فلاں شخص نے زنا کیا تو ان کی شہادت سے زنا ثابت ہو جائے گا۔ (ج ۲ ص ۱۴۳ عربی)

اعتراض ۶: ایک شخص زنا کے ارتکاب کا اقرار کرتا ہے حالانکہ شاذ و نادر ہی ایسا ہوتا ہے۔ تو اسے اپنے اقرار سے پھر جانے کی ترغیب دی جائے گی تاکہ وہ حد کی سزا سے جو کہ ۱۰۰ کوڑے ہے بچے۔

جواب: زنا کی حد صرف سو کوڑے نہیں بلکہ اگر زانی محصن ہو تو اسے سنگسار کیا جائے گا یہاں تک کہ مر جائے۔ اقرار سے پھر جانے کی ترغیب کا مسئلہ "فتاویٰ عالمگیری" میں بدیں عبارت مذکور ہے۔ نُدِبَ تَلْقِیْنُهُ قَبَّلْتَ اَوْ لَمَسْتَ اَوْ وَطِئْتَ بِشُبْهَةٍ .... وَالْمَقْصُوْدُ اَنْ یُّلَقِّنَهُ مَا یَکُوْنُ دَارِئًا کَائِنًا مَا کَانَ (ج ۲ ص ۱۴۴ عربی)

اس کا وہ مطلب نہیں جسے پروفیسر صاحب نے سمجھا اور لکھا ہے۔ بات دراصل یہ ہے کہ بعض دفعہ مجرم جاہل ہوتا ہے اور اس نے بجائے بڑے جرم کے کسی چھوٹے جرم کا ارتکاب کیا ہوتا ہے لیکن بنا بر جہالت اس کی تعبیر ایسے لفظ کے ساتھ کرتا ہے جو بڑے جرم پر دلالت کرنے کے لیے مختص کیا گیا ہے۔ توصیح صورتِ حال معلوم کرنے کے لیے اسے کچھ باتوں کی تلقین کرنا تاکہ وہ چھوٹے جرم اور بڑے جرم کے فرق کو سمجھ کر صحیح جرم کا اعتراف کرے اور صحیح سزا پائے۔ ایک پسندیدہ فعل ہے ایسا کرنے سے چھوٹے جرم کا مرتکب بڑے جرم کی سزا سے بچ جائے گا۔ مثلاً ایک شخص کسی اجنبی عورت کو صرف ہاتھ لگاتا ہے یا بوسہ لیتا ہے یا وطی بالشبہ کرتا ہے تو ان جرموں کی سزا حد (۱۰۰ کوڑے) نہیں مگر وہ بوقت اعترافِ جرم "زنا" کا نام لیتا ہے تو اسے لَعَلَّكَ قَبَّلْتَ (شاید کہ تونے زنا نہ کیا ہو صرف بوسہ لیا ہو) اَوْ لَمَسْتَ (شاید کہ تونے زنا نہ کیا ہو

صرف ہاتھ لگایا ہو) کہہ کر اصل جرم کے اعتراف کی تلقین کرنا ہرگز بُرا نہیں۔

حدیث شریف: فتاویٰ عالمگیری میں ذکر کردہ مسئلہ تلقین حدیث شریف سے ماخوذ ہے۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمتِ اقدس میں حاضر ہو کر ایک شخص نے اعترافِ "زنا" کیا تو آپ نے اسے بدیں الفاظ تلقین فرمائی۔ لَعَلَّكَ قَبَّلْتَ اَوْ غَمَزْتَ اَوْ نَظَرْتَ شاید کہ تو نے صرف بوسہ لیا ہو یا صرف دبایا ہو۔ یا صرف نظر ڈالی ہو (مشکوٰۃ ص۳۱۱) جرم کا اعتراف کرتے ہوئے غلطی واقع ہو جانے کی ایک مثال ملاحظہ ہو۔ حدیث شریف میں ہے کہ ایک دفعہ ایک پاک باطن شخص نے ایک ایسا گناہ کیا جو نماز با جماعت پڑھنے سے معاف ہو جاتا ہے۔ مگر انھوں نے اس کا اعتراف بڑے سخت الفاظ کے ساتھ کیا۔ اِنِّیْ اَصَبْتُ حَدًّا فَاَقِمْهُ عَلَیَّ یعنی یا رسول اللہ! میں نے ایسا گناہ کیا ہے جس نے حد کی سزا واجب کر دی ہے۔ آپ مجھ پر حد کی سزا قائم فرما دیجئے۔ رحمتِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔ اِنَّ اللّٰهَ قَدْ غَفَرَ لَكَ ذَنْبَكَ اللہ تعالیٰ نے تیرا گناہ معاف کر دیا ہے۔ ببرکت اس نماز کے جو تو نے ہمارے ساتھ پڑھی۔ (بخاری شریف ج ۲ ص۱۰۰۸)

اعتراض ۲: جرم کے اعتراف کی صورت میں اگر اس شرمناک جرم میں شریک دوسرا ساتھی ارتکابِ گناہ سے انکار کر دے تو دونوں مجرم حد کی سزا سے مستثنیٰ قرار دے دیئے جائیں گے۔

جواب: اس کی وجہ بھی وہی ہے جو اوپر مذکور ہوئی۔ کیونکہ جو ساتھی ارتکابِ زنا سے انکار کرتا ہے اس کا مطلب یہ ہو سکتا ہے کہ ہم دونوں نے جو جرم کیا ہے وہ اتنا سنگین نہیں کہ اس کے لیے "زنا" کا لفظ استعمال کیا جائے اور بصورت عدم احصان سو سو کوڑے کھائے جائیں بلکہ وہ جرم چھوٹا (تقبیل غمزہ لمس وغیرہ) ہے۔ اس کی سزا سو کوڑے مقرر نہیں۔ میرا ساتھی بنا برجہالت زنا اور غیر زنا میں فرق نہیں کر سکا۔ اس شبہ کی بنا پر "فتاویٰ عالمگیری" نے دونوں کو حدِ زنا کی سزا سے مستثنیٰ قرار دیا ہے۔ کیونکہ رسول اقدس صلی اللہ علیہ وسلم

نے ارشاد فرمایا۔ اِدْرَءُوا الْحُدُوْدَ بِالشُّبُھَاتِ۔ شبہ پڑنے پر حد ختم کردو (الجامع الصغیر ص۱)

اعتراض ۸: مرد اس بات کا اعتراف کرلیتا ہے کہ اس نے فلاں عورت کے ساتھ زنا کیا ہے تو اگر عورت یہ دعویٰ کرے کہ اس نے اس مرد سے شادی کرلی تھی یا وہ اپنے جرم کا اقرار کرتی ہے لیکن مرد اس عورت سے شادی کرلینے کا دعویٰ کرتا ہے تو ان میں سے کوئی بھی مستوجب سزا نہ ہوگا۔

جواب: پروفیسر صاحب! پندرہ بیس سال تک فقہا کرام کی جوتیاں سیدھی کرنے کے بغیر "فتاویٰ عالمگیری" کی سمجھ نہیں آسکتی۔ اسے علمار عظام ہی سمجھ سکتے ہیں۔ سنیئے میں عرض کرتا ہوں۔ دو گواہوں کی موجودگی میں باہمی "ایجاب وقبول" کا نام نکاح ہے تو اگر (مثلاً) عورت و مرد نے اپنے باپوں یا بالغ بیٹوں کی موجودگی میں باہم ایجاب وقبول کرلیا تو شرعاً نکاح منعقد ہوگیا۔ لیکن یہ مسئلہ ایک کو معلوم ہے دوسرے کو نہیں پھر دونوں ہم بستر ہوئے تو جسے علم نہیں اس نے اس ہم بستری کو "زنا" کہا اور دوسرے نے نکاح۔ جب یہ کیس قاضیٔ اسلام کے سامنے پیش ہوگا کہ دونوں میں سے ایک زنا کا اعتراف کرتا ہے اور دوسرا نکاح کا مدعی ہے تو قاضی اسلام پر لازم ہوگا کہ وہ اس صورت ممکنہ کی بنا پر کسی پر حدِ زنا قائم نہ کرے۔ دونوں کو معاف کردے۔ کیونکہ حدیث شریف میں ہے۔ (فَاِنَّ الْاِمَامَ اَنْ یُّخْطِئَ فِی الْعَفْوِ خَیْرٌ مِنْ اَنْ یُّخْطِئَ فِی الْعُقُوْبَۃِ۔) یعنی معافی دینے میں خطا کرنا بہتر ہے اس سے کہ سزا دینے میں خطا کی جائے (مشکوٰۃ ص۳)

اعتراض ۹: ایک شخص جانتا ہے کہ اسلام میں متعہ غیر قانونی ہے۔ مگر اس کے باوصف وہ مقررہ میعاد کے لیے یا گواہوں کی موجودگی کے بغیر اس سے شادی کرلیتا ہے اور اس سے مجامعت بھی کرلیتا ہے تو اس پر حد کی سزا واجب نہ ہوگی۔

جواب: نکاح متعہ حرام ہے اس کے مرتکبین کی بابت "فتاویٰ عالمگیری" میں لکھا ہے کہ یُوْجَعَانِ عُقُوْبَۃً وَّیُحْبَسَانِ حَتّٰی یَتُوْبَا دونوں کو سخت سزا دی جائے

گی اور جب تک سچی توبہ نہیں کرتے جیل میں قید کئے جائیں گے (ج ۲ ص ۱۴۹) لیکن اس کی حرمت زنا کی طرح ہمیشہ سے نہیں۔ پہلے مباح تھا خیبر کے دن حرام فرمادیا گیا (بخاری ج ۲ ص ۶۰۶) پھر فتح مکہ کے دن مباح فرمایا گیا۔ (مسلم ج ۱ ص ۴۵۱) پھر قیامت تک کے لیے حرام فرمادیا گیا۔ بنابریں بعض صحابہ کرام ابتداءً اس کی اباحت کے قائل تھے۔ انہیں سیدنا علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے سمجھایا تو انہوں نے اس کی اباحت سے رجوع فرمالیا اور قیامت تک کی حرمت کے قائل ہوگئے (بخاری ج ۲ ص ۱۰۲۹ ج ۲ ص ۷۶۷) معلوم ہوا کہ متعہ کی حرمت ابدی ہونے کے باوجود ازلی نہیں اور قطعی ہونے کے باوجود زنا کی طرح شدید نہیں۔ لہٰذا جو سزا قرآن وحدیث نے زنا کی بیان فرمائی ہے وہ متعہ کے مرتکبین پر نافذ نہیں کی جاسکتی۔ کیونکہ حد کا معاملہ بڑا نازک ہوتا ہے۔ اللہ کے مسلمان بندوں پر اللہ سے اجازت لیے بغیر حد نافذ نہیں کی جاسکتی حدیث شریف میں ہے اِدْرَؤُا الْحُدُوْدَ عَنِ الْمُسْلِمِیْنَ مَا اسْتَطَعْتُمْ مسلمانوں سے حتی الوسع حدیں گراؤ (مشکوٰۃ ص ۳۱۱) مستند کتابوں کے حوالہ جات مع صفحات درج کر دیئے گئے ہیں تاکہ پروفیسر صاحب اگر از خود تحقیق کرنا چاہیں اور انہیں عربی آتی ہو تو خود تحقیق کرلیں۔

اعتراض ۱۱: نابالغ لڑکی سے زنا پر بھی حد کی سزا واجب نہ ہوگی۔

جواب: پروفیسر صاحب نے غلط سمجھا "فتاویٰ عالمگیری" میں ہے۔ اِنْ زَنٰی صَحِیْحٌ بِمَجْنُوْنَۃٍ اَوْصَغِیْرَۃٍ یُجَامَعُ مِثْلُھَا حُدَّ الرَّجُلُ خَاصَّۃً اگر کسی شخص نے مجنون عورت سے یا ایسی نابالغ لڑکی سے زنا کیا جس سے مجامعت ہوسکتی ہے تو مرد کو حد کی سزا دی جائے گی (ج ۲ ص ۱۴۹) ہاں اگر کسی بدکار نے ایسی نوعمر لڑکی سے زنا کرنے کی کوشش کی جس سے مجامعت نہیں ہوسکتی تو چونکہ اس نے حقیقۃً زنا نہیں کیا لہٰذا اسے زنا کی سزا نہ دی جائے گی۔ بلکہ اگر لڑکی اس کے فعلِ بد سے مرگئی تو قتل کی سزا کا مستوجب ہوگا۔ ورنہ دوسری سزاؤں کا۔ جب صغر سنی کی وجہ سے زنا ہو ہی نہیں سکتا تو زنا کی سزا کیسی؟ اگلے صفحہ کی عبارت اذا زنی بصبیۃ فلا حد علیھما کا یہی مطلب ہے جو فقیر نے عرض کیا۔

اعتراض ۱۱: اگر ایک لڑکی ایک سوئے ہوئے آدمی کے بستر میں گھس جاتی ہے اور اسے مباشرت پر اکساتی ہے اور وہ اس سے شرمناک جرم کا ارتکاب کرلیتا ہے تو حد کی سزا کسی پر نافذ نہ ہوگی۔

جواب: فتاویٰ عالمگیری کی اصل عبارت یہ ہے۔ لَوْ مَكَّنَتْ نَفْسَهَا مِنَ النَّائِمِ لَا يَجِبُ عَلَيْهِمَا الْحَدُّ ص ۱۵۰ ج ۲ اس کے معنی وہ نہیں جنہیں پروفیسر صاحب نے بیان کیا بلکہ مطلب صرف اتنا ہے کہ مرد سویا ہوا ہے عورت نے اپنے آپ کو اس کے قابو میں دے دیا ہے کہ وہ جو چاہے اس سے کرلے۔ عبارت میں مرد کے جاگنے کا ذکر نہیں شہوت میں آنے کا ذکر نہیں دخول کرنے کا ذکر نہیں اور ان سب چیزوں کے پائے جانے کے بغیر زنا متحقق نہیں ہوسکتا۔ کیونکہ زنا مرد کا فعل ہے عورت کا نہیں۔ عورت فاعل نہیں ہوا کرتی مفعول بہا ہوا کرتی ہے۔ جب فاعل سویا ہوا ہے اور فعل ثابت ہی نہیں تو حد زنا کا مستوجب کون ہوگا؟ ہاں وہ عورت اپنی اس ناپاک حرکت اور غلیظ جسارت کی بنا پر "حد زنا" کے علاوہ تعزیر کی ضرور مستحق ہوگی۔ پروفیسر صاحب کا یہ لکھنا کہ "وہ اس سے شرمناک جرم کا ارتکاب کرلیتا ہے" محض ایجاد بندہ ہے۔ فتاویٰ عالمگیری میں اس بات کا وجود نہیں۔ اگر پروفیسر صاحب یہ کہیں کہ یہ کیسے ہوسکتا ہے کہ کوئی لڑکی باوصف تمکین کسی کے بستر میں گھس جائے اور وہ اس سے شرمناک فعل نہ کرے۔ تو جواب عرض کروں گا۔ کہ ہم مسلمانوں کا تابناک ماضی اس قسم کے معطر واقعات سے بھرا پڑا ہے کہ اہل اللہ کو پھسلانے کی غرض سے حسین سے حسین تر لڑکیاں خوب بن ٹھن کر رات بھر پیش ہوتی رہیں مگر عذاب الٰہی سے ڈرنے والوں نے باوجود جاگنے اور باوجود جوان و تندرست ہونے کے ان کی طرف آنکھ اٹھا کر بھی نہ دیکھا اور شب بھر عبادت گزاری میں رہے۔ (شرح الصدور ص ۹)

اعتراض ۱۲: ایک عورت یا لڑکے پر غیر فطری حملہ کرنے کی صورت میں مجرم پر حد کی سزا نافذ نہ ہوسکے گی بلکہ اس کی بجائے اس پر تعزیر کی سزا نافذ ہوگی جو کہ تین سے انتالیس کوڑوں تک ہے۔

جواب: زنا کے لیے ایلاج فی القبل ضروری ہے ایلاج فی الدبر کا نام زنا نہیں ہو سکتا لہٰذا وہ مجرم جس نے زنا نہیں کیا اس پر حد زنا کی سزا کس طرح نافذ ہو سکتی ہے۔ غیر فطری حملہ کرنے والے کی جو سزا قرآن وحدیث نے مقرر نہیں فرمائی وہ سزا فتاویٰ عالمگیری مقرر نہیں کر سکتا۔ ہاں اس گھناؤنے جرم کی سزا "تین سے انتالیس کوڑوں" تک ہی نہیں بلکہ فتاویٰ عالمگیری میں لکھا ہے۔ لَوِاعْتَادَ اللِّوَاطَةَ قَتَلَهُ الْاِمَامُ اگر کوئی شخص غیر فطری حملہ کرنے کا عادی ہو تو اس کو امام قتل کر دے (صرف کوڑوں پر اکتفا نہ کرے) (ج ۲ صفہ ۱۵۰)

اعتراض ۱۳: پھر اگر زنا کے ایک کیس میں تین گواہ یہ شہادت دیں کہ انہوں نے اپنی آنکھوں سے مجرموں کو جرم کرتے دیکھا ہے اور چوتھا یہ گواہی دے کہ اس نے ملزمین کو بستر میں ملفوف دیکھا ہے تو حد کی سزا نافذ نہ ہو گی بلکہ اس کی بجائے پہلے تین گواہوں پر حد قذف کی سزا جو اسّی کوڑے ہے جاری کی جائے گی۔

جواب: اگر ملزم اعتراف نہ کرے تو ثبوت زنا کے لیے چار گواہوں کی شرط اللہ تعالیٰ نے سورۃ النور آیت ۱۳ میں صراحتہً ذکر فرمائی ہے اور کسی پر زنا کی تہمت لگائی جائے اور "چار گواہ" پیش نہ کیے جائیں تو اسی آیت میں تہمت لگانے والوں کو عنداللہ کاذب کہا گیا ہے پھر اس سورۃ کی آیت ۴ میں ان تہمت لگانے والوں کو اسّی کوڑوں کی سزا کا مستوجب قرار دیا گیا ہے۔ فتاویٰ عالمگیری کا مسئلہ مذکورہ ان دو آیتوں کی روشنی میں مرتب فرمایا گیا ہے۔ کیونکہ اس صورت میں گواہ صرف تین ہیں۔ چوتھا ملفوف ہونے کا گواہ ہے زنا کا گواہ نہیں۔ اور ملفوف ہونا دخول کو مستلزم نہیں اور دخول کے بغیر زنا نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ ممکن ہے عورت رتقاء ہو ممکن ہے مرد مجبوب ہو ممکن ہے دونوں پر یا کسی ایک پر یکدم خوف خدا طاری ہو گیا ہو اور وہ سنگین جرم کے ارتکاب سے بچ گئے ہوں جیسا کہ حدیث شریف میں ایک واقعہ مذکور ہے کہ عین برہنگی وتنہائی کی حالت میں عورت نے مرد کو "اِتَّقِ اللهَ" کہہ کر فعل بد سے بچا لیا۔ (مشکوٰۃ ص ۴۲۱) جب ملفوف ہونے کا گواہ زنا کا گواہ نہیں تو حد زنا کس

طرح لگائی جا سکتی ہے۔ پروفیسر صاحب کا اس مسئلہ پر اعتراض کرنا جو قرآن مجید سے صراحۃً ثابت ہو رہا ہے یقیناً علامات قیامت سے ہے۔

پروفیسر صاحب بیچارے علم حدیث میں کافی کمزور ہیں ورنہ انہیں معلوم ہوتا کہ یہ کیس تو حضرت فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی بارگاہ عدالت میں پیش ہونے والے کیس کے بالکل موافق ہے اور آپ نے وہی فیصلہ فرمایا تھا جو فتاویٰ عالمگیری میں مذکور ہے (سنن بیہقی ج ۸ صفحہ ۲۲۴ البدایۃ والنہایۃ ج ۸ صفحہ ۵۷)

اعتراض ۱۴: اگر شاہد اس عورت کو نہیں پہچانتے جس کے ساتھ جرم کا ارتکاب کیا گیا ہے تو کسی پر حد کی سزا جاری نہ ہوگی۔

جواب: یہ مسئلہ فتاویٰ عالمگیری (ج ۲ صفحہ ۱۵۲) میں ہدایہ اولین (صفحہ ۵۱۲) سے نقل کیا گیا ہے۔ ہدایہ میں حد کی سزا جاری نہ ہونے کی وجہ یہ بیان کی گئی ہے کہ جب گواہ عورت کو پہچانتے نہیں تو ممکن ہے کہ وہ عورت اس مرد کی بیوی ہو یا باندی۔ اور بیوی و باندی سے ہم بستری کرنا زنا نہیں۔ چونکہ احادیثِ مبارکہ سے ثابت ہے کہ شبہات سے حدیں گر جایا کرتی ہیں۔ اس لیے اس شبہ کی بنا پر حد زنا جاری نہ کی جائے گی۔

اعتراض ۱۵: اگر دو شاہد کسی ملزم کے بارے میں یہ شہادت دیں کہ اس نے فلاں عورت پر مجرمانہ حملہ کیا مگر دوسرے یہ کہیں کہ اس نے اس جرم کا ارتکاب عورت کی مرضی سے کیا ہے۔ تو کسی پر حد کی سزا جاری نہ ہوگی۔

جواب: اس جگہ پروفیسر صاحب نے زبردست خیانت سے کام لیا ہے اور مغالطہ دہی کی خاطر نہ فتاویٰ عالمگیری کی اصل عبارت ذکر کی ہے نہ اس کا صحیح مفہوم بیان کیا نہ نمبر صفحہ لکھا۔ اصل عبارت یہ ہے۔ اَرْبَعَۃٌ شَہِدُوْا عَلٰی رَجُلٍ بِالزِّنَا فَشَہِدَ اِثْنَانِ اَنَّہٗ اَسْتَکْرَہَہَا وَشَہِدَ اِثْنَانِ اَنَّہَا طَاوَعَتْہُ قَالَ اَبُوْحَنِیْفَۃَ رَحْمَۃُ اللّٰہِ تَعَالٰی عَلَیْہِ اُدْرِاُ عَنْہُمُ الْحَدَّ جَمِیْعًا یَعْنِیْ الرَّجُلَ وَالْمَرْاَۃَ وَالشُّہُوْدَ صفحہ ۱۵۳ ج ۲ فتاویٰ ہندیہ اردو شائع کردہ شیخ

غلام علی اینڈ سنز لاہور میں اس کا ترجمہ یوں لکھا ہے۔ "چار مردوں نے ایک شخص پر زنا کی گواہی دی جن میں سے دو گواہوں نے کہا کہ اس مرد نے اس عورت کو باکراہ مجبور کر کے زنا کیا ہے اور دوسرے دو گواہوں نے کہا کہ اس عورت نے خود اس کی مطاوعت کی ہے تو امام ابو حنیفہ نے فرمایا کہ حد ان سب سے دور کر دی جائے گی۔ یعنی مرد و عورت و گواہوں سب سے رفع کی جائے گی (ج ۳ ص۲۴۴) اس ترجمہ میں اور پروفیسر صاحب کی ذکر کردہ عبارت میں بڑا فرق ہے۔ پروفیسر صاحب نے یہ تأثر دینے کی کوشش کی ہے کہ عورت کی رضامندی کی صورت میں اگر زنا واقع ہو تو فتاویٰ عالمگیری کے مطابق حد زنا کی سزا قائم نہیں ہو سکتی۔ حالانکہ یہ مطلب غلط ہے اور یہ تأثر گمراہ کن ہے۔ بلکہ صحیح مطلب عبارت مذکورہ کا یہ ہے کہ چونکہ ثبوت زنا کے لیے چار عادل گواہوں کا ہونا ضروری ہے (فتاویٰ عالمگیری ج ۲ ص۱۴۲) اس جگہ سب گواہ عادل نہیں ہیں ان میں سے دو یقیناً جھوٹے ہیں۔ کیونکہ اگر عورت رضامند نہ تھی اور مرد نے اس پر زبردستی کی تو رضامندی و مطاوعت کے گواہ جھوٹے ہیں اور اگر رضامندی تھی تو اکراہ و زبردستی کے گواہ جھوٹے ہیں۔ جب اس کیس میں چار عادل گواہ پیش نہیں کیے گئے تو زنا ثابت نہ ہوا۔ لہٰذا حدِ زنا کسی پر قائم نہیں کی جا سکتی۔

پروفیسر صاحب: علم فقہ آسان علم نہیں آپ اس کو علماء کرام کے بغیر نہیں سمجھ سکتے۔ اگر آپ نے ایم اے اسلامیات اور ایم اے عربی نہیں کیا تو کر لیں۔

پھر علومِ فقہیہ میں مہارت حاصل کرنے کے لیے توضیح تلویح و مسلم الثبوت تک کتب اصول فقہ اور ہدایہ و درِ مختار تک کتب فقہ سبقاً سبقاً پڑھیں۔ پھر فتاویٰ عالمگیری کا مطالعہ کریں تو انشاء اللہ خواہ مخواہ کی الجھنوں سے محفوظ رہیں گے اور یقین فرمالیں گے کہ حنفی فقہ قرآن مجید۔ حدیث شریف اور اقوالِ صحابہ کے عین موافق ہے اور سب فقہوں سے بالا ہے۔ اس کی تدوین کی سعادت جن نفوس قدسیہ کو حاصل ہوئی ان کے اذہان طیبہ میں ہمہ وقت لاکھوں حدیثیں موجود رہتی تھیں ان ہی حدیثوں نے بوقت تدوین ان حضرات کی رہنمائی فرمائی۔ پروفیسر صاحب! میرا اور آپ کا

علم تو بہت تھوڑا ہے ۔

امام شعرانی: محقق مذاہب اربعہ عارف ربانی سیدی عبدالوہاب الشعرانی الشافعی فرماتے ہیں۔ قَدْ تَتَبَّعْتُ بِحَمْدِ اللّٰہِ اَقْوَالَہٗ وَاَقْوَالَ اَصْحَابِہٖ ۔۔ فَلَمْ اَجِدْ قَوْلًا ۔۔۔۔ اِلَّا وَھُوَ مُسْتَنَدٌ اِلٰی آیَۃٍ اَوْحَدِیْثٍ اَوْ اَثَرٍ اَوْ اِلٰی مَفْھُوْمِ ذَالِکَ اَوْحَدِیْثٍ ضَعِیْفٍ کَثُرَتْ طُرُقُہٗ اَوْ اِلٰی قِیَاسٍ صَحِیْحٍ عَلٰی اَصْلٍ صَحِیْحٍ یعنی میں نے بحمدہٖ تعالیٰ امام اعظم ابوحنیفہ کے اقوال کا اور آپ کے اصحاب کے اقوال کا بغور مطالعہ کیا۔ مجھے کوئی قول ایسا نظر نہیں آیا جس نے کسی آیت یا حدیث یا آثار صحابہ یا ان کے مفہوم کا یا ایسی حدیث ضعیف کا جو کثرتِ طرق کی وجہ سے قوی ہو چکی ہے۔ یا قیاسِ صحیح کا سہارا نہ لیا ہو۔ (بلکہ ان کا ہر قول مندرجہ بالا اصولِ شرعیہ میں سے کسی نہ کسی سے ضرور ثابت پایا) ("المیزان الکبریٰ ص۶۴")

پروفیسر رفیع اللہ شہاب نے فتاویٰ عالمگیری کے خلاف تین مضمون روزنامہ "امروز" لاہور میں چھپوائے ہیں۔ پہلا مضمون ۳ر جنوری کو چھپا تھا۔ جس کا جواب اہلِ سُنت و جماعت کے مؤقر ماہنامہ "رضائے مصطفیٰ" گوجرانوالہ میں بالاقساط شائع ہو رہا ہے۔ دوسرا مضمون میری نظر سے نہیں گزرا۔ کوئی صاحب بھجوادیں تو بشکریہ قبول ہوگا۔ خدا تعالیٰ نے چاہا تو اس کا بھی جواب لکھا جائے گا۔ تیسرا مضمون ۴ر اپریل ۱۹۷۹ء کی اشاعت میں شائع ہوا۔ ذیل میں اس تیسرے مضمون کا خلاصہ ذکر کرتا ہوں پھر بتوفیقہٖ تعالیٰ جواب عرض کروں گا۔

اعتراض ۱۶ متعلق عقیقہ: پروفیسر صاحب لکھتے ہیں کہ فتاوی عالمگیری مطبوعہ لاہور جلد نہم ص۱۱۱ پر عقیقے کی رسم کے بارے میں یہ فتویٰ درج ہے۔ "جامع صغیر میں مذکور ہے نہ پسر کی طرف سے عقیقہ کیا جائے اور نہ دختر کی طرف سے اور یہ کراہت کی طرف اشارہ ہے" اور فقہ کی ایک کتاب "نیل الاوطار" میں امام ابوحنیفہ کا عقیقے کے بارے میں فتویٰ ہے کہ "عقیقہ زمانۂ جاہلیت کی ایک رسم تھی جسے اسلام نے مٹا دیا"

جواب: فتاویٰ عالمگیری نے عقیقہ کو نہ مکروہ تحریمی کہا نہ مکروہ تنزیہی بلکہ عقیقہ کے جائز و

مباح ہونے کا فتویٰ دیا ہے۔ فتاویٰ عالمگیری میں ہے۔ العقیقة عن الغلام وعن الجاریة وهی ذبح شاة فی سابع الولادة وضیافة الناس وحلق شعره مباحة لا سنة ولا واجبة ۔ یعنی پسر اور دختر کی پیدائش کے بعد ساتویں دن عقیقہ کرنا۔ بکری ذبح کرنا۔ لوگوں کی ضیافت کرنا نومولود کے بال منڈوانا جائز و مباح ہے۔ سُنّت مؤکدہ اور واجب نہیں۔ عقیقہ کے متعلق فتاویٰ عالمگیری کا یہ فتویٰ صـ۳۶۲ جلد پنجم میں درج ہے اس پر کسی قسم کا اعتراض نہیں ہوسکتا۔ افسوس! کہ پروفیسر صاحب نے اپنے منصب کا لحاظ نہ کیا اور مندرجہ بالا فتویٰ سے آنکھیں بند کر کے "جامع صغیر" کی عبارت کا سہارا لیا اور بجائے جامع صغیر کے فتاویٰ عالمگیری پر اعتراض جڑ دیا۔ اگر وہ تعصب سے بچ کر عبارتِ فتاویٰ میں تامل کرتے تو ان کی سمجھ میں یہ بات آسانی سے آجاتی کہ مرتبین فتاویٰ عالمگیری نے عقیقے کے جواز کا فتویٰ دے کر یہ بتایا ہے کہ امام محمد رحمۃ اللہ تعالیٰ نے عقیقہ کی بابت دو قول ذکر فرمائے ہیں۔ ان کا ایک قول عقیقہ کے جواز کی طرف اشارہ کرتا ہے اور دوسرا قول کراہت کی طرف۔ لیکن ہم مرتبین فتاویٰ عالمگیری کے نزدیک عقیقہ جائز و مباح ہی ہے نہ مکروہ تحریمی ہے نہ مکروہ تنزیہی۔

سوال۔ جامع صغیر فقہ حنفی کی معتبر کتاب ہے اس میں عقیقہ کی کراہت کی طرف اشارہ کیا گیا ہے اور امام اعظم ابوحنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فقہ حنفی کے بانی ہیں۔ انہوں نے عقیقہ کو رسم جاہلیت قرار دیا ہے۔ اس کی کیا وجہ ہے؟۔

جواب۔ عقیقہ بطریقۂ اسلام اور بطریقۂ جاہلیت میں فرق ہے۔ حضرت ابوبریدہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں۔ کنا فی الجاهلیة اذا ولد لاحدنا غلام ذبح شاة ولطخ رأسه بدمها فلما جاء الله بالاسلام کنا نذبح شاة ونحلق رأسه ونلطخه بزعفران یعنی زمانۂ جاہلیت میں ہم میں سے جب کسی کے ہاں بچہ پیدا ہوتا تو وہ بکری ذبح کر کے اس کا خون بچے کے سر پر لگا دیتا جب اللہ تعالیٰ نے اسلام عطا فرمایا تو ہم بچے کی پیدائش کے بعد بکری ذبح کرتے بچے کے بال منڈواتے اور بجائے خون کے اس کے سر پر زعفران لگا دیتے۔
(ابوداؤد جلد دوم صـ۳۹۳)

امام اعظم ابو حنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جس عقیقہ کو رسم جاہلیت قرار دیا ہے اور امام محمد رحمتہ اللہ تعالیٰ نے جسے مکروہ کہا ہے وہ وہی عقیقہ ہے جو بطریقۂ جاہلیت کیا جائے۔ اور جو عقیقہ بطریقۂ اسلام کیا جائے اسے نہ کسی نے مکروہ کہا ہے اور نہ رسم جاہلیت قرار دیا ہے۔

سوال : حضرت امام محمد علیہ الرحمہ نے فرمایا ہے کہ اما العقیقة فبلغنا انها کانت فی الجاهلیة وقد فعلت فی اول الاسلام ثم نسخ الاضحی کل ذبح قبله ونسخ شهر رمضان کل صوم کان قبلہ یعنی ہمارے مشائخ کے ذریعہ یہ روایت پہنچی ہے کہ زمانۂ جاہلیت میں عقیقہ تھا اور ابتدائے اسلام میں بھی کیا جاتا تھا پھر عید الضحیٰ کی قربانی نے تمام پہلے ذبیحے منسوخ کر دیئے اور ماہ رمضان کے روزوں نے تمام پہلے روزے منسوخ کر دیئے (مؤطا ص۲۲۲)

جواب۔ پہلے تین حدیثیں ملاحظہ ہوں تاکہ فہم جواب میں آسانی رہے۔

حدیث نمبر۱۔ یذبح عنه یوم السابع ویحلق رأسه ویدمی یعنی ساتویں دن بچے کا عقیقہ کیا جائے اس کا سر منڈوایا جائے اور سر کو خون آلود کیا جائے۔ حضرت قتادہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے "یُدمّٰی" کے معنی بتائے ہیں کہ عقیقہ کے جانور کے بال لے کر اس کی گردن کی رگوں میں رکھ کر خون سے تر کیے جائیں۔ پھر بچہ کے تالو پر رکھے جائیں۔ تاکہ تالو پر دھاگہ کی مانند خون بہہ جائے (بیہقی ص۳۰۳ جلد نہم)

حدیث نمبر۲۔ اهریقوا عنه دمًا ۔ یعنی بچہ کی طرف سے جانور کا خون بہاؤ (ابوداؤد ص۳۹۲ جلد دوم۔ بخاری ص۸۲۲ ج ۲۔ مشکوٰۃ ص۳۶۲)

حدیث نمبر۳۔ من ولد له ولد فاحب ان ینسك عنه فلینسك۔ یعنی اللہ تعالیٰ جسے بچہ عطا فرمائے اور وہ بچہ کی طرف سے جانور ذبح کرنا پسند کرے تو اس کے لیے جانور ذبح کرنا جائز ہے (ابوداؤد ج۲ ص۳۹۲)

پہلی حدیث سے معلوم ہوا کہ بچے کے سر پر خون لگانا اسلام کے آتے ہی منسوخ نہیں ہوا تھا بلکہ ابتدائے اسلام میں کچھ عرصہ تک یہ رسم موجود رہی پھر مٹائی گئی۔ دوسری حدیث سے معلوم ہوا کہ اسلام میں پہلے پہل عقیقہ واجب تھا کیونکہ "اهریقوا" صیغۂ امر ہے اور امر وجوب کے لیے ہوتا ہے اور تیسری حدیث سے پتہ چلا کہ عقیقہ کا وجوب صرف ابتدائے اسلام میں تھا بعد میں

یہ وجوب منسوخ ہو کر جواز میں تبدیل ہو گیا۔ اسی لیے حدیث مذکور کو محدث بیہقی علیہ الرحمۃ نے عدمِ وجوب عقیقہ کی دلیل قرار دیا ہے (بیہقی جلد دوم ص۳۰۳) چونکہ حنفی علماء کی نظر دربارۂ احادیث بہت وسیع ہے اور یہ حضرات حدیث دانی میں سب پر فائق ہیں اور سب حدیثوں پر نظر رکھ کر مسائل استنباط کیا کرتے ہیں اس لیے انہوں نے تمام حدیثوں کے پیشِ نظر یہ افاضہ فرمایا ہے۔ کہ عقیقہ میں بچے کا سر خون آلود کرنا زمانۂ جاہلیت میں تھا۔ اسلام کی آمد کے کچھ عرصہ بعد جاہلیت کی یہ رسم مٹا دی گئی اور جانور کا ذبح کرنا واجب قرار دیا گیا۔ پھر رحمۃ للعالمین صلی اللہ علیہ وسلم نے امت کو دشواریوں سے نکالنے کے لیے جو اقدامات فرمائے ان میں عقیقہ کا وجوب بھی منسوخ فرمایا۔ امام محمد علیہ الرحمۃ نے عقیقہ بطریقۂ اسلام کے جواز کے منسوخ یا مکروہ ہونے کا قول ہرگز نہیں فرمایا۔ بلکہ ان کا مطلب صرف یہ ہے کہ عقیقہ میں جو رسمِ جاہلیت چلی آ رہی تھی وہ بھی اور عقیقہ کو جو واجب قرار دیا گیا تھا وہ بھی منسوخ کر دیا گیا۔ لہٰذا اب جو عقیقہ ہے وہ جائز و مباح ہے نہ مکروہ ہے نہ واجب جیسا کہ رمضان کے علاوہ عاشورہ و ایامِ بیض کے روزے۔

ڈھائی سال کی خاموشی کے بعد پروفیسر مذکور نے مسئلہ عقیقہ کے متعلق پھر ایک مضمون داغ دیا جس سے مسلمانوں کو خاصی پریشانی ہوئی۔ چنانچہ انہوں نے ۲۷ نومبر ۱۹۸۱ء کے اخبار جنگ لاہور میں لکھا ہے کہ

اعتراض ۱۷۔ بدائع الصنائع حنفی فقہ کی معتبر ترین کتاب ہے اور اس کے مؤلف علامہ کاسانی کو فقہا کا بادشاہ تسلیم کیا جاتا ہے۔ اس کتاب میں عقیقہ کے متعلق لکھا ہے کہ عید الضحیٰ کی قربانی نے پہلے سے مروج تمام قربانیوں کو منسوخ کر دیا۔ عقیقہ کا رواج عید قربانی سے پہلے کا تھا۔ اس لیے یہ منسوخ ہو گیا۔ یہ بھی خیال رہے کہ منسوخ ہو جانے سے پہلے بھی عقیقہ کوئی فرض نہیں تھا بلکہ محض ایک کارِ ثواب تھا لیکن منسوخ ہو جانے کے بعد یہ کارِ ثواب بھی نہ رہا بلکہ ایک مکروہ فعل قرار پایا (ج ۵ ص۱۲۷)

جواب۔ دیگر مسائل کی طرح اس مسئلہ میں بھی پروفیسر صاحب نے ٹھوکر کھائی۔ علامہ کاسانی

نے مسئلہ عقیقہ کے متعلق اسی کتاب کے صلا جلد ۵ میں جو کچھ لکھا ہے اسے دیکھنے سے پتہ چلتا ہے کہ ان کی ج ۵ ص۱۲۷ والی عبارت کا وہ مطلب نہیں جو پروفیسر صاحب نے سمجھا۔ علامہ موصوف نے ایک حدیث نقل کی مَنْ شَاءَ فلیعق عن الغلام شاتین وعن الجاریۃ شاۃ جو شخص عقیقہ کرنا چاہے اسے لڑکے کی طرف سے دو بکریاں اور لڑکی کی طرف سے ایک بکری ذبح کرنی چاہیے۔ پھر حدیث کی شرح بیان فرمائی کہ عَلَّقَ الْعَقَّ بِالْمَشِیَّۃِ وَھٰذَا اِمَارَۃُ الاِبَاحَۃِ حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے عقیقہ کو صاحبِ اولاد کی مرضی پر موقوف رکھا۔ آپ نے اس کے کرنے کا تاکیدی حکم نہیں دیا جس سے پتہ چلا کہ عقیقہ صرف جائز و مباح ہے۔ سنت مؤکدہ نہیں (ج ۵ ص۶۹)

معلوم ہوا کہ علامہ کاسانی کے نزدیک عقیقہ کا فعل جائز و مباح ہے مکروہ نہیں البتہ اسے سنتِ مؤکدہ جاننا مکروہ ہے کیونکہ وہ تعلیق بالمشیۃ والی حدیث کے خلاف ہے یہی مضمون علامہ شامی نے ذکر کرکے فرمایا کہ عقیقہ اگرچہ بذاتِ خود مباح ہے مگر بچے کی ولادت کی خوشی میں بارادۂ شکر ذبح کرنا عبادت و اطاعت ہے فَاِنَّ النِّیَّۃَ تُصَیِّرُ الْعَادَاتِ عِبَادَاتٍ وَالْمُبَاحَاتِ طَاعَاتٍ۔ کیونکہ اچھی نیت عادت کو عبادت اور مباح کو طاعت بنا دیتی ہے (ردالمحتار ص۲۰۸ ج ۵)

گوجرانوالہ۔

کے بعض غیر مقلد وہابیوں نے ایک کتابچہ بنام ،، فتاویٰ عالمگیری اور فتاویٰ حدیث،، شائع کرکے فتاویٰ عالمگیری کے گیارہ مسئلوں کے مقابلہ میں کچھ حدیثیں ذکر کیں اور یہ تاثر دیا کہ یہ مسئلے ان حدیثوں کے مخالف ہیں زیرِ نظر مضمون میں ثابت کیا گیا ہے وہابیہ نے نہ فتاویٰ عالمگیری کو سمجھا ہے نہ احادیث شریفہ کو۔ اور ان مسائل میں سے ایک مسئلہ بھی خلافِ احادیث نہیں۔ یہ صرف اس طائفہ مخذولہ کی سمجھ کا پھیر ہے جن پر شانِ رسالت و ولایت میں گستاخی کی پھٹکار ہے۔ اور جنہوں نے دشمنِ اسلام انگریز گورنمنٹ کو خدا کی رحمت کہا تھا اور انگریزوں سے وفاداری کی سندیں حاصل کی تھیں (ملاحظہ ہوالحیات بعد الممات ص۱۶۲ ، ۱۴۲) بنا بریں ذَوانتقام جَلَّ مَجْدُہٗ نے ان سب کی عقلیں ناکارہ کر دی ہیں اور انہیں زمرۂ سفہاء الاحلام

میں داخل کر دیا ہے۔

اعتراض ۱۸۔ فتاوی عالمگیری میں ہے (کھجور کی شراب) نبیذ اگر نو پیالے پیئے تو نشہ نہ آئے دسواں پیالہ پینے کے بعد نشہ آئے تو حد جاری نہیں کی جائے گی (جلد ۵ صفحہ ۱۳۱ سطر ۸) حالانکہ نبی کریم صلّی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا جو چیز نشہ لاتی ہے وہ شراب ہے۔ کل مسکر خمر (مسلم) اور آپ نے فرمایا جو چیز بہت نشہ لاتی ہے اس کا تھوڑا بھی حرام ہے (ابوداؤد) (کتابچہ وہابیہ)

الجواب۔ غیر مقلد وہابیوں نے فتاوی عالمگیر کی اصل عبارت کا بُری طرح جھٹکا کیا اور حلیہ بگاڑا۔ اصل عبارت ملاحظہ ہو۔ اذا شرب تسعة اقداح من نبیذ التمر فاوجر العاشر فسکر لم یحد لان السکر یضاف الی ما هو اقرب یعنی اگر ایک شخص نے نو پیالے نبیذ تمر کے پیئے پھر دسواں پیالہ اس کے منہ میں ڈالا گیا۔ پس نشہ میں ہوگیا تو اس کو حد نہ ماری جائے گی۔ اس واسطے کہ سکر اس کے اقرب کی طرف مضاف ہوتا ہے (عربی ص ۱۴۳ ج ۲ مترجم مطبوعہ نولکشور سنہ ۱۸)

وجہ اس کی یہ ہے کہ نبیذ تمر شراب بمعنی خمر کا نام نہیں بلکہ اس پانی کا نام ہے جس میں چند کھجوریں ڈال دی جائیں۔ تاکہ پانی میٹھا ہو جائے جس طرح آج کل شکر ڈال کر پانی میٹھا کیا جاتا ہے اسی طرح زمانۂ رسالت مآب صلّی اللہ علیہ وسلم میں کھجوریں ڈال کر پانی میٹھا کیا جاتا تھا۔ شرعاً اس مشروب کا پینا بلا کراہت درست ہے۔ حضورِ اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلّم نے اسے بارہا نوش فرمایا۔ چند حدیثیں ملاحظہ ہوں۔

حدیث ۱:۔ حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا میں نے اپنے اس پیالے میں رسول اکرم سیدِ عالم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم کو درج ذیل مشروبات پلانے کی سعادت حاصل کی (العسل والنبیذ والماء واللبن) شہد نبیذ پانی اور دودھ۔

حدیث ۲:۔ ام المؤمنین سیدتنا الصدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں۔ کنا ننبذ لرسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فی سقاء ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے مشک میں نبیذ تیار کیا کرتی تھیں۔

حدیث ۳: حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما فرماتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے شروع رات پانی میں کھجوریں ڈال دی جاتیں پھر آپ اس نبیذ تمر کو صبح سے لے کر تیسرے دن کی عصر تک جب چاہتے نوش فرماتے۔ فان بقی شیئ سقاہ الخادم او امر بہ فصب پھر اگر کچھ بچ رہتا تو خادم کو پلا دیتے یا حکم فرماتے تو گرا دیا جاتا (مشکوٰۃ شریف ص۳۷۲)

تیسری حدیث کی تشریح میں محدثین کرام نے فرمایا کہ اگر بوجہ گرمی وغیرہ کے نبیذ میں نشہ پیدا ہو جاتا (جس کی پہچان رنگ بدلنے جھاگ پیدا ہونے وغیرہ سے ہو جاتی ہے)۔ تو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم اس کے گرانے کا حکم دے دیتے اور اگر نشہ پیدا نہ ہوتا تو خادم کو پلا دیتے (مرقاۃ جدید ص۲۲۷ جلد ۸) ان حدیثوں سے معلوم ہوا کہ نبیذ تمر عمدہ و پسندیدہ مشروب ہے۔ البتہ اسے اگر زیادہ دیر تک رکھا جائے تو اس میں کبھی نشہ پیدا ہو جاتا ہے۔ یہ مشروب نشہ آور ہونے سے پہلے بلا کراہت حلال ہے اور نشہ آور ہونے کے بعد بلاشبہ حرام ہے۔ فتاویٰ عالمگیری کی مندرجہ عبارت ان احادیث کی روشنی میں مرتب فرمائی گئی ہے۔ یعنی اگر کسی شخص نے نبیذ تمر کے ایسے نو پیالے پیئے جن میں نشہ نہ تھا اور دسواں پیالہ جس میں نشہ تھا اس نے خود نہ پیا بلکہ کسی نے اس کے منہ میں زبردستی ڈال دیا جس سے وہ نشہ میں ہو گیا تو اس کو حد نہ ماری جائے گی کیونکہ جس نبیذ کو اس نے خود پیا اس میں نشہ نہ تھا اور جس میں نشہ تھا اسے اس نے خود نہ پیا جب نشہ آور چیز بغیر اکراہ کے خود نہ پی جائے تو حد نہیں لگائی جا سکتی قرآن مجید میں ہے فَمَنِ اضْطُرَّ غَيْرَ بَاغٍ وَّلَا عَادٍ فَلَا اِثْمَ عَلَيْهِ یعنی جو شخص حرام چیز کے کھانے یا پینے پر مجبور ہوا تو اس پر کوئی گناہ نہیں (البقرۃ ع ۲۱)

وہابی جہالتیں: فتاویٰ عالمگیر پر یہ اعتراض وہابیہ کی درج ذیل جہالتوں کا نتیجہ ہے۔ اُوْجِرَ الْعَاشِرَ کا ترجمہ یہ ہے "دسواں پیالہ اس کے منہ میں زبردستی ڈالا گیا"۔ وہابیہ کو اس لفظ کا صحیح ترجمہ نہیں آیا۔ انہوں نے اپنی جہالت کا ماتم کرنے کی بجائے فتاویٰ عالمگیر پر اعتراض کر دیا۔ ؎

شرم ان کو مگر نہیں آتی

• فتاویٰ عالمگیر کی عبارت نبیذ تمر کے متعلق ہے اور وہابیہ نے اس کے مقابل جو حدیثیں ذکر کی ہیں۔ وہ بجائے نبیذ کے خمر سے متعلق ہیں ان بیچاروں کو اتنا بھی پتہ نہیں کہ خمر میں اور نبیذ میں کیا فرق ہے۔ تو کیا ان کی "پوتھیاں" اس لائق ہیں کہ فتاویٰ عالمگیر پر اعتراض کر سکیں۔

• کتب حدیث میں نبیذ تمر سے متعلق بکثرت حدیثیں پائی جاتی ہیں لیکن نام کے اہل حدیث ان تمام حدیثوں سے نرے جاہل ہیں۔ ورنہ فتاویٰ عالمگیر پر اعتراض کرتے وقت ضرور شرماتے۔

• فتاویٰ عالمگیر کی مندرجہ عبارت پر تبصرہ کرتے ہوئے وہابیہ نے یہاں تک لکھ دیا کہ "ان فتاووں میں ام الخبائث کے متعلق اس قدر وسعت ہے تو دوسری برائیاں کیسے ختم ہو سکتی ہیں"۔ جس مشروب کو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے نوش فرمایا ہو اسے ام الخبائث کہنا وہابیہ کی کتنی بڑی بے ایمانی ہے۔

وہابی گرچہ اخفا میکند بغض نبی لیکن
نہاں کے مانند آں رازے کزو سازند محفلہا

وہابی مشروبات: سید الطاہرین صلی اللہ علیہ وسلم کے مشروب (نبیذ تمر) پر ام الخبائث جیسے ناپاک لفظ کا اطلاق کرنے اور فتاویٰ عالمگیری پر احمقانہ اعتراض کرنے والے وہابیوں کے اپنے پسندیدہ مشروبات و مطعومات کی ایک جھلک ملاحظہ ہو۔

پہلا مسئلہ: "اگر کتا کنویں میں گر پڑے اور پانی کا رنگ یا مزہ یا بو تبدیل نہ ہو تو وہ پاک ہے" (فتاویٰ نذیریہ جلد ۱ ص ۳۳۵)

دوسرا مسئلہ: زیادہ ترجیح قول یہ ہے کہ کتے اور خنزیر کے سوا سب جانوروں کی منی پاک ہے (فقہ محمدی جلد ۱ ص ۴۱)

توضیح: وہابی مذہب میں بندر گیدڑ ریچھ ہاتھی وغیرہ کی منی پاک ہے اور اگر کتا کنویں میں گر پڑے اور اس کی منی کو پیشاب وغیرہ پانی میں حل ہو جائے تو وہ بھی پاک ہے جب تک اس کا رنگ وغیرہ نہ بدلے۔ پلید اور ام الخبائث تو صرف وہ پانی ہے جس میں کھجوریں ڈالی جائیں۔

کسی نے سچ کہا۔

؎ خدا جب دین لیتا ہے حماقت آہی جاتی ہے

تیسرا مسئلہ: "جب تک پانی کا کوئی وصف نہ بدلے قلیل ہو یا کثیر نجاست گرنے سے وہ نجس نہیں ہوتا۔" اہل حدیث نے اسی کو اختیار کیا ہے (لغات الحدیث جلد ۶ صـ۲۲ ن) یعنی پاؤ بھر پانی میں پاؤ بھر پیشاب کیا جائے اور پانی کا وصف نہ بدلے تو وہابی مذہب میں اس کا پینا جائز ہے۔

؎ نجدیا کتنی ہی گندی ہے طبیعت تیری

چوتھا مسئلہ: "خون کی نجاست پر کوئی قوی دلیل نہیں ہے۔ خصوصاً حلال جانور کے خون کی نجاست پر البتہ حیض کا خون نجس ہے اور اصل اشیاء میں طہارت ہے" (لغات جلد ۲ صـ۶۸) یعنی وہابی مذہب میں خون نفاس خون استحاضہ اور وہ خون جو پھوڑوں سے نکلے پاک اور حلال ہے پانی میں ملا کر پینے سے عمدہ مشروب کا کام دیتا ہے۔ جیسے کو تیسا۔

پانچواں مسئلہ: "جو روٹی شراب ملا کر پکائی جائے اس کا کھانا درست ہوگا جن ادویہ میں شراب کی روح یعنی الکحل شریک ہوتی ہے اس کا بھی استعمال درست ہوگا ہمارے علماء اہل حدیث میں سے مفتئ مصر نے ایسا ہی فتویٰ دیا ہے۔ (لغات جلد ۱ صـ۶۰ ام)

چھٹا مسئلہ: "کپڑے یا جسم میں شراب لگ جائے تو دھونے کی ضرورت نہیں کیونکہ شراب نجس نہیں ہے" (لغات جلد ۶ صـ۸ ن)

وہابی مذہب میں گیارہویں حرام اور شراب کی روٹی اور شراب آمیز ادویہ کا استعمال جائز ہے۔ کپڑے یا جسم میں شراب لگ جائے تو دھونے کی ضرورت نہیں یہ ہے ان کی فقاہت سے محرومی و فتاویٰ عالمگیری کی دشمنی کا نتیجہ۔ جس کے باوجود انہوں نے فتاویٰ عالمگیری کے خلاف طوفان بدتمیزی برپا کر رکھا ہے۔

وہابی امامت: وہابیہ کی اس نجاست پسندی و بدعقیدگی کی وجہ سے علماء اہل سنت و جماعت کا متفقہ فتویٰ ہے کہ وہابی امام کی اقتداء میں نماز پڑھنی منع ہے

52937

اگر غلطی سے پڑھ لی گئی تو اس نماز کا دہرانا ضروری ہے کیونکہ دل کو اعتقادی نجاست سے اور اور لباس و جسم کو شراب، پیشاب، خون وغیرہ کی نجاستوں سے پاک نہ رکھنے والا شخص امام نہیں بن سکتا ہے

ایسے امام سے گزر ایسی نماز سے گزر

اعتراض ۱۹: فتاویٰ عالمگیری میں ہے لا یقتل الرجل بعبدہ یعنی جو شخص اپنے غلام کو قتل کر دے اس کو بدلے میں قتل نہیں کیا جائے گا۔ (فتاویٰ عالمگیر جلد ۶ صہ ۸ سطر ۲)

حالانکہ حدیث میں ہے من قتل عبدہ قتلناہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جس نے اپنے غلام کو قتل کیا ہم بدلے میں اس کو قتل کریں گے (ابو داؤد)

الجواب اوّلاً: غیر مقلد وہابیوں نے ترجمۂ حدیث میں "بدلے میں" کے الفاظ اپنی طرف سے بڑھاتے ہیں۔ حدیث میں کوئی ایسا لفظ نہیں جس کا معنے "بدلے میں" کیا جائے۔ یہ وہابیہ کا حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم پر افترار ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں مَنْ كَذَبَ عَلَيَّ مُتَعَمِّدًا فَلْيَتَبَوَّأْ مَقْعَدَهُ مِنَ النَّارِ۔ جس نے مجھ پر افترار باندھا اس کا ٹھکانا جہنم کی آگ ہے (مشکوٰۃ صہ ۳۵)

ثانیاً: اس مسئلہ کی بابت کتبِ حدیث میں صرف وہی حدیث مذکور نہیں جسے وہابیہ نے ذکر کیا اور اپنی مرضی کا ترجمہ گھڑ کر اعتراض کیا بلکہ اور حدیثیں بھی ہیں جنہیں نام کے "اہل حدیث" نہیں جانتے۔ ملاحظہ ہوں۔

۱۔ سیدنا علی شیرِ خدا کرم اللہ تعالیٰ وجہہ الکریم فرماتے ہیں مِنَ السُّنَّةِ اَنْ لَا يُقْتَلَ حُرٌّ بِعَبْدٍ ۔ سنت یہ ہے کہ کسی آزاد شخص کو کسی غلام کے بدلے میں قتل نہ کیا جائے (بیہقی جلد ۸ صہ ۳۴) بلکہ قتل کے علاوہ دوسری سزا دی جائے اگر اس نے بلا وجہ قتل کیا۔

۲۔ حضرت جریر صحابی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا غلام بھاگ گیا۔ فَاَخَذَهُ فَضَرَبَ عُنُقَهُ انہوں نے اسے پکڑ کر قتل کر دیا (نسائی جلد ۲ صہ ۱۶۸)

۳۔ ان ابابکر و عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کانا لَا یَقْتُلَانِ الْحُرَّ یَقْتُلُ الْعَبْدَ۔
سیدنا ابوبکر اور سیدنا عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما اس آزاد شخص کو قتل نہ کرتے تھے جس نے کسی غلام کو قتل کیا ہوتا (بیہقی جلد ۸ صفحہ ۳۴) بلکہ یہ فعل اگر بلا وجہ سرزد ہوتا تو قتل کے علاوہ دوسری سزا دیتے۔

۴۔ مَنْ قَتَلَ عَبْدَہٗ کے راوی حسن بن سمرۃ ہیں۔ ان کا اپنا فتویٰ یہ ہے کہ لَا یُقْتَلُ حُرٌّ بِعَبْدٍ۔ لَا یُقَادُ الْحُرُّ بِالْعَبْدِ کسی آزاد شخص کو کسی غلام کے بدلے میں قتل نہ کیا جائے۔ آزاد شخص سے غلام کا قصاص نہ لیا جائے (ابوداؤد صفحہ ۶۲۲) بلکہ دوسری سزا دی جائے فتاویٰ عالمگیری کا مندرجہ مسئلہ ان مقدس حدیثوں کی روشنی میں مرتب فرمایا گیا ہے۔ نام نہاد اہل حدیث چونکہ ان حدیثوں سے بالکل بے خبر ہیں اس لئے انہوں نے ناحق فتاویٰ عالمگیری پر اعتراض کر دیا۔

سوال: یہ چار حدیثیں حدیث ابوداؤد صفحہ ۶۲۲ "مَنْ قَتَلَ عَبْدَہٗ قَتَلْنَاہُ" کے مخالف و معارض ہیں تو ان مختلف حدیثوں میں تطبیق کس طرح ہو گی۔

جواب: محدثین کرام نے من قتل عبدہ قتلناہ کے جو معنے بیان کئے ہیں ان کے پیش نظر کسی قسم کا تعارض باقی نہیں رہتا اور سب حدیثیں باہم منطبق ہو جاتی ہیں (۱) لفظ "قتلناہ" جان سے مار دینے کی بجائے سزائے سخت کے معنے میں استعمال ہوا ہے جس طرح چوتھی بار شراب پینے والے کے لیے حدیث شریف میں لفظ "فاقتلوہ" وارد ہوا ہے اور اس کا معنے یہ نہیں کہ اس شرابی کو "جان سے مار دو" بلکہ معنے یہ ہیں کہ "اسے سخت سزا دو" کیونکہ خود حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی خدمت میں ایک دفعہ ایک ایسا شخص لایا گیا۔ جس نے چار مرتبہ شراب پی تھی تو آپ نے اسے جان سے نہیں مارا بلکہ سخت سزا دی تھی (مشکوٰۃ صفحہ ۳۱۵) تو جو شخص اپنے غلام کو بلا وجہ قتل کرے گا اسے عند الاحناف قتل کی بجائے سخت سزا دی جائے گی۔

سوال: پھر اس جگہ "سخت سزا" کی بجائے لفظ "قتل" کیوں استعمال ہوا ہے۔

جواب: قتل غلام بلا وجہ کی سزا کو بطور زجر مجازاً قتل سے تعبیر کیا گیا ہے جس طرح قرآن مجید میں سیئۃ کی سزا کو سیئۃ کہا گیا ہے (شوریٰ ع ۴) حالانکہ جرم کی سزا عدل و

انصاف پر مبنی ہونے کی وجہ سے سیئۃ نہیں ہوتی بلکہ حسنۃ ہوا کرتی ہے۔ (۲) عَبْدَہٗ سے مراد وہ آزاد شخص ہے جو پہلے غلام تھا پھر آزاد کیا گیا آزادی کے بعد اگر اسے اس شخص نے قتل کر دیا۔ جس کا وہ پہلے غلام تھا تو قاتل کو بطور قصاص قتل کرنا درست ہے کیونکہ اس نے جسے قتل کیا ہے وہ اب اس کا غلام نہیں بلکہ آزاد شخص ہے۔ آزاد ہونے کے بعد اگرچہ وہ شخص حقیقتاً غلام نہیں رہا لیکن نسبت سابقہ کا لحاظ رکھ کر اسے بطور مجاز غلام کہنا صحیح ہے۔ جس طرح طلاق دینے والے جب اپنی بیویوں کو طلاق دے کر نکاح سے خارج کر دیتے ہیں تو وہ ان کے حقیقتاً خاوند نہیں رہتے مگر انہیں قرآن مجید نے بلحاظ نسبت سابقہ "خاوند" کہا ہے (ازواجہن البقرہ ع ۳۰) یونہی خاوندوں کے مرنے کے بعد ان کی بیویوں کا نکاح ٹوٹ جاتا ہے اور وہ حقیقتاً "بیویاں" نہیں رہتیں لیکن قرآن مجید سورۃ النساء ع ۲ میں انہیں بطور مجاز بلحاظ نسبت سابقہ بیویاں (ازواجکم) کہا گیا ہے۔ (حاشیہ سندھی بر نسائی جلد ۲ ص ۲۴۰)

(۳) وہابیہ کی جہالت ملاحظہ ہو کہ حدیث مذکور کی بابت ان کے اپنے مولویوں نے جو کچھ لکھا ہے۔ یہ اس سے بھی بے خبر ہیں چنانچہ وہابی مولوی وحید الزمان نے لکھا ہے کہ "اکثر علماء کے نزدیک یہ حدیث (من قتل عبدہ قتلناہ) منسوخ ہے وہ کہتے ہیں۔ آزاد شخص غلام کے عوض قتل نہ کیا جائے گا۔ اور دلیل اس کی آیتِ قرآنی ہے اَلْحُرُّ بِالْحُرِّ وَالْعَبْدُ بِالْعَبْدِ (سورۃ البقرہ ع ۲۲) اور یوں نہیں فرمایا گیا اَلْحُرُّ بِالْعَبْدِ اور اس حدیث کو زجر اور تشدید اور تخویف پر محمول کیا ہے تاکہ لوگ غلاموں کو قتل کرنے سے باز رہیں (لغات الحدیث جلد ۵ ص ۲۳ ق) فتوٰی حسن (لا یقتل حر بعبد) کو بھی اس حدیث کے منسوخ ہونے کی دلیل قرار دیا گیا ہے کیونکہ اگر منسوخ نہ ہوتی تو وہ اپنی روایت کے خلاف فتوٰی نہ دیتے (ابوداؤد ص ۶۲۰ حاشیہ ۱۴)

سوال: ابوداؤد کے اسی صفحہ پر لکھا ہے کہ حسن نے جو حدیث "من قتل عبدہٗ" روایت کی ہے بعد میں انہیں یہ حدیث بھول گئی تھی۔ بنا بریں انہوں نے اس کے خلاف فتوٰی دیا اگر انہیں وہ حدیث یاد ہوتی پھر اس کے خلاف فتوٰی دیتے تو البتہ اسے دلیل نسخ

قرار دیا جاسکتا تھا لیکن یہاں یہ صورت نہیں۔

جواب: دعویٰ نسیان صرف مبنی برگمان ہے ظاہر یہ ہے کہ حضرت حسن بھولے نہیں بلکہ انہوں نے حدیث مذکور کا وہی مطلب لیا جس کا اوپر ذکر ہوا اور جسے اکابر امت نے پسند فرمایا۔ وہابیہ پر تعجب ہے کہ نسیان کے مدعی کی تقلید جامد تو بلا تأمل کر لیتے ہیں لیکن امام اعظم ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ کی تقلید کو شرک بتاتے ہیں (فتاویٰ نذیریہ جلد ۱ صــ۱۶۹) حالانکہ وہ اس تقلید جامد کے سبب خلفاء راشدین رضی اللہ عنہم کی ان روایات و معمولات کی مخالفت کے مرتکب ہوتے ہیں۔ جن کا بحوالہ بیہقی (جلد ۸ صــ۲۴۳-۲۴۴) ذکر کیا جا چکا ہے۔

آواز دو انصاف کو انصاف کہاں ہے؟

اعتراض ۲۳: فتاویٰ عالمگیری میں ہے۔ اگر قاضی چوری کے جرم میں کسی کے ہاتھ کاٹنے کا فیصلہ کرے لیکن صاحب مال چور کو اپنا مال ہبہ کر دے تو چور کا ہاتھ نہیں کاٹا جائے گا (جلد ۲ صــ۱۸۴ سطر ۶)

حالانکہ حدیث میں ہے۔ حضرت صفوان بن امیہ کی چادر چوری ہوگئی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے چور کے ہاتھ کاٹنے کا حکم دے دیا۔ حضرت صفوان نے چور کے حق میں سفارش کی تو آپ نے فرمایا یہ (معافی) میرے پاس لانے سے پہلے کیوں نہیں دی۔ (ابوداؤد)

الجواب اولاً: وہابیہ نے اس جگہ حسب عادت بہت بڑا ظلم کیا اور فتاویٰ عالمگیری کے اہم جملہ سَلَّمَهَا اِلَیْهِ کا ترجمہ حذف کر دیا۔ حالانکہ اس کے بغیر عبارت فتاویٰ کا صحیح مفہوم ادا نہیں ہوسکتا۔ سلمہا الیہ کا مطلب یہ ہے کہ مالک نے چوری کا مال صرف زبانی طور پر ہبہ نہیں کیا بلکہ وہ مال چور کے حوالے بھی کر دیا تاکہ چور مال کا صحیح طور پر مالک بن جائے۔ کیونکہ قبضہ کے بغیر ہبہ میں ملکیت ثابت نہیں ہوسکتی۔ (تفصیل آگے آئے گی)

ثانیاً: فتاویٰ عالمگیری کے اس مسئلہ کو حدیث صفوان کے ذکر کردہ ترجمہ کے مخالف بتانا وہابیہ کے ناقص العقول ہونے کی دلیل ہے۔ کیونکہ فتاویٰ میں جو صورت ذکر کی گئی ہے۔ اس

میں مال ہبہ کرنے اور سپرد کرنے کا ذکر ہے اور ترجمہ حدیث میں صرف سفارش کرنے ومعافی دینے کا ذکر ہے۔ یہ دونوں صورتیں الگ الگ ہیں۔ ہبہ کرنے وسپرد کرنے سے چور کی ملکیت ثابت ہو جاتی ہے اور صرف سفارش کرنے ومعاف کرنے سے ملکیت ثابت نہیں ہوتی لہٰذا پہلی صورت میں ہاتھ نہ کاٹا جائے گا۔ اور دوسری صورت میں لازماً کاٹا جائے گا۔ وہابیہ نے جو صورت حدیث صفوان کی بیان کی ہے وہ صورت فتاویٰ عالمگیری میں بھی موجود ہے۔ مگر انہیں اپنی بے بصیرتی کی وجہ سے نظر نہیں آئی۔ ملاحظہ ہو۔ لَوْ اَمَرَ الْاِمَامُ بِقَطْعِ سَارِقٍ فَعَفَا الْمَسْرُوْقُ مِنْہُ کَانَ عَفْوُہٗ بَاطِلاً اگر امام نے چور کا ہاتھ کاٹنے کا حکم دیا۔ اس کے بعد صاحب مال نے چور کو معاف کر دیا تو یہ معافی باطل ہوگی (اور چور کا ہاتھ ضرور کاٹا جائے گا) ص۱۸۲۔ جلد ۲۔

سوال: حدیث میں یہ الفاظ بھی موجود ہیں کہ حضرت صفوان نے کہا ھُوَ عَلَیْہِ یہ چادر چور پر صدقہ ہے (مشکوٰۃ ص۳۱۳) اور ہبہ کی طرح صدقہ سے بھی ملکیت ثابت ہو جاتی ہے۔ پھر ہاتھ کیوں کاٹا گیا؟

جواب: ہبہ کی طرح صدقہ میں بھی قبضہ شرط ہے قبضہ کے بغیر نہ ہبہ تام ہوتا ہے نہ صدقہ۔ حضرت صفوان نے ھُوَ عَلَیْہِ صَدَقَۃٌ تو کہا لیکن چادر اس کے سپرد نہ کی۔ لہٰذا ملکیت ثابت نہ ہوئی تو ہاتھ کاٹا گیا۔ یہ جواب سمجھنے کے لیے درج ذیل حدیثیں ملاحظہ ہوں۔

پہلی حدیث: سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے وصال شریف سے کچھ پہلے اپنی صاحبزادی ام المؤمنین حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے فرمایا اِنِّیْ کُنْتُ نَحَلْتُکِ مِنْ مَالِیْ جَذَاذَ عِشْرِیْنَ وَسْقاً فَلَوْ کُنْتِ جَذَذْتِیْہِ وَاحْتَزْتِیْہِ کَانَ لَکِ فَاِنَّمَا ھُوَ الْیَوْمَ مَالُ وَارِثٍ۔ پیاری بیٹی میں نے تجھے اپنے مال میں سے بیس وسق آمدنی والے کھجور کے درخت ہبہ کیے تھے اگر تو اس پر قبضہ کر لیتی تو وہ تیری ملک ہو جاتے وہ آج سب وارثوں کا مال ہیں (بیہقی جلد ۶ ص۱۷۰ مؤطا امام محمد ص۳۶۷ ریاض النضرۃ جلد اوّل ص۱۲۶)

دوسری حدیث: سیدنا عمر ابن الخطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا۔ لَا نُحِلُّ اِلَّا لِمَنْ

حازہ وَقَبَضہ۔ ہبہ وصدقہ صرف اس شخص کے لیے حلال ہے جس نے اپنے پاس جمع کیا اور قبضہ کیا (البدایہ فی تخریج احادیث الهدایۃ صہ۲۰۳)

تیسری حدیث: سادا تنا عثمان غنی ابنِ عمر ابنِ عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہم فرماتے تھے۔ لَا تَجُوْزُ صَدَقَۃٌ حَتّٰی تُقْبَضَ جب تک صدقہ پر قبضہ نہ کیا جائے جائز نہیں ہوتا (بیہقی صہ۱۷۰ جلد۶)

چوتھی حدیث: ابوسلمہ بن عبدالرحمٰن روایت فرماتے ہیں کہ جب حضرت صفوان کی چادر چوری ہوئی فَاسْتَیْقَظَ فَصَاحَ بِہٖ فَاُخِذَ تو وہ فوراً جاگ پڑے اور چلائے تو لوگوں کے تعاون سے چور پکڑ لیا گیا (ابوداؤد صہ۶۰۲ جلد۲)

پہلی تین حدیثوں سے معلوم ہوا کہ ہبہ وصدقہ کے تام ہونے کے لیے قبضہ شرط ہے۔ بغیر قبضہ کے ہبہ وصدقہ تام نہیں ہوتا اور اس میں ملکیت ثابت نہیں ہوتی اور چوتھی حدیث سے ظاہر ہوا کہ حضرت صفوان نے چور سے چادر لے لی تھی۔ اور جب ہاتھ کاٹنے کا وقت آیا تو انہوں نے صرف زبان سے ھُوَ عَلَیْہِ صَدَقَۃٌ کہا مگر چور کے حوالے نہیں کی تو اس کی ملکیت ثابت نہ ہوئی لہٰذا بتقاضائے قانونِ شریعت اس کا ہاتھ کاٹا گیا۔

حدیثِ مضطرب: نیز حدیث مذکور بسبب مضطرب ہونے کے لائق احتجاج نہیں کیونکہ بعض روایات میں یہ واقعہ مکہ مکرمہ کا بیان کیا گیا ہے اور بعض میں مدینہ طیبہ کا (النسائی جلد۲ صہ۲۵۴-۲۵۵) بعض میں سَرَقَ بُرْدَۃً کے الفاظ مذکور ہیں اور بعض میں اِخْتَلَسَھَا کے۔ اور حدیث سے ثابت ہے کہ مختلس کا ہاتھ نہ کاٹا جائے گا (ابوداؤد صہ۲۰۳ جلد۲) اور بعض میں ھُوَ عَلَیْہِ صَدَقَۃٌ (یہ چادر اس پر صدقہ ہے) آیا ہے اور بعض میں قَدْ تَجَاوَزْتُ (میں نے درگزر کی) اور بعض میں اَنَا اَبِیْعُہٗ (میں اس سے بیچ دیتا ہوں) یونہی بعض میں ہے کہ حضرت صفوان چوری کے وقت چادر پر سوئے ہوئے تھے اور بعض میں ہے کہ وہ قضائے حاجت کے لیے تشریف لے گئے تھے (بیہقی صہ۲۶۵ صہ۲۶۶)

جب الفاظ حدیث میں اس قدر اختلاف ہے کہ ان میں تطبیق نہیں ہو سکتی تو وہابیہ کا اس کی آڑ لے کر فتاویٰ عالمگیری کے اس مسئلہ پر معترض ہونا جو احادیثِ معتبرہ رجیحہ سے ثابت ہے کتنی بڑی حماقت و جہالت ہے۔ کیا ان جہلاء کو اہلِ حدیث کے نام سے موسوم کرنا محدثین کرام کی توہین نہیں؟

چہ نسبتِ خاک را با عالمِ پاک

اعتراض ۲۱: فتاویٰ عالمگیری میں ہے۔ غیر شادی شدہ عورت زنا کرے تو اس کو بطورِ سزا شہر سے نکالنا جائز نہیں (جلد دوم ص ۱۴۶)

حالانکہ حدیث میں ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ اگر باکرہ غیر شادی شدہ عورت غیر شادی شدہ مرد سے زنا کرے تو انہیں سو سو درّے مارے جائیں اور ایک سال کے لیے جلاوطن کر دیا جائے (مسلم)

الجواب: اس جگہ بھی وہابیہ نے جھوٹ بولا اور ظلم کیا۔ جو عبارت فتاویٰ عالمگیری میں لکھی ہوئی ہے اسے نقل نہیں کیا اور جسے نقل کیا ہے وہ فتاویٰ میں موجود نہیں۔ اصل عبارت فتاویٰ عالمگیری کی یہ ہے لَا یُجْمَعُ بَیْنَ جَلْدٍ وَرَجْمٍ فِی الْمُحْصَنِ وَلَا بَیْنَ جَلْدٍ وَنَفْیٍ فِی الْبِکْرِ وَاِنْ رَاٰی الْاِمَامُ فِیْ ذٰالِکَ مَصْلَحَۃً غَرَّبَ بِقَدْرِ مَا یَرٰی وَذَالِکَ تَعْزِیْرٌ وَسِیَاسَۃٌ لَا حَدٌّ۔ یعنی اگر زانی محصن (شادی شدہ) ہو تو اسے صرف سنگسار کیا جائے گا کوڑے نہ مارے جائیں گے۔ اور اگر محصن (شادی شدہ) نہیں تو اسے حد کے طور پر صرف کوڑے مارے جائیں گے اور شہر بدر کرنے میں اگر امام المسلمین کو مصلحت نظر آئے تو وہ کوڑے مار کر حسبِ منشا بطور تعزیر و سیاست شہر بدر بھی کر سکتا ہے۔ (ص ۱۴۶ جلد ۲ سطر ۳۱۔ ۳۲)

معلوم ہوا کہ زانی غیر محصن کو بطورِ سزا شہر بدر کرنے کو فتاویٰ عالمگیری نے ناجائز نہیں کہا بلکہ جائز کہا ہے اور اس سزا کا نام حد کی بجائے تعزیر رکھا ہے۔ کیونکہ قرآن مجید

میں زانی غیر محصن کی حد صرف سَو کوڑے بیان کی گئی ہے شہر بدر کرنے کو قرآن مجید نے حد کا جزو قرار نہیں دیا۔ (سورۃ النور ع ۱) حنفی علماء نے قرآن و حدیث میں فرق مراتب کا لحاظ رکھ کر اس سزا کا نام حد رکھا ہے جسے قرآن مجید نے بیان فرمایا اور اس سزا کو تعزیر کہا ہے جسے حدیث شریف نے ذکر فرمایا۔ غیر مقلد وہابیہ صرف نام کے اہل حدیث ہیں ان بیچاروں کو نہ قرآن و حدیث کی سمجھ ہے نہ فقہ کی نہ ان میں فرق مراتب کی اہلیت رکھتے ہیں۔ حالانکہ علماء پر لازم ہے کہ اصول شرعیہ میں فرقِ مراتب کا لحاظ رکھ کر گفتگو کیا کریں۔

گر فرقِ مراتب نہ کنی زندیقی

بلکہ حدیث شریف سے صراحتہً ثابت ہے کہ شہر بدر کرنا حد نہیں۔ اس کے علاوہ ایک دوسری سزا ہے۔ حضرت ابو ہریرہ فرماتے ہیں۔ اِنَّ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم قَضٰی فِیْمَنْ زَنٰی وَلَمْ یُحْصَنْ بِنَفْیِ عَامٍ وَاِقَامَۃِ الْحَدِّ عَلَیْہِ کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے زانی غیر محصن پر دو سزاؤں کا فیصلہ فرمایا سال بھر کے لیے شہر بدر کرنا اور حد لگانا (بخاری جلد ۲ ص ۱۰۱) معلوم ہوا شہر بدر کرنے اور حد لگانے میں فرق ہے۔ یہ دونوں الگ الگ سزائیں ہیں ان میں اتحاد نہیں مغایرت ہے کیونکہ حدیث مذکور میں اِقَامَۃِ الْحَدِّ عَلَیْہِ کا نفی عَامٍ پر عطف فرمایا گیا ہے اور عطف مغایرت کو چاہتا ہے۔ اگر شہر بدر کرنا حد ہی ہوتا تو اس پر "اقامۃ الحد" کا عطف نہ کیا جاتا۔ پتہ چلا کہ جو کچھ اس حدیث نے ثابت فرمایا ہے وہی کچھ فتاویٰ عالمگیری نے بیان کیا ہے۔ یعنی شہر بدر کرنا حد کے علاوہ دوسری سزا ہے اور حد صرف سَو کوڑے لگانے کا نام ہے۔ اگر وہابیہ کو اس حدیث کا علم ہوتا تو فتاویٰ عالمگیری پر اعتراض نہ کرتے۔ مگر افسوس کہ باوجود جہلاء ہونے کے خود کو زمرۂ علماء میں شامل سمجھتے ہیں۔

آنکس کہ نداند و بداند کہ بداند
در جہل مرکب تا ابد بماند

حنفی مذہب کی عمدگی: بعض حدیثوں میں لفظ تغریب یا لفظ نفی جو وارد ہوا ہے۔

اس کے دو معنے بیان کئے جاتے ہیں (۱) زانی و زانیہ کو جلا وطن کرنا (۲) ان دونوں کو قید خانے میں بند کر دینا۔ پہلے معنے پر وہابیہ کا اصرار ہے اور دوسرا معنے مرتبین فتاویٰ عالمگیری کے ہاں مختار ہے (جلد ۲ صٓ ۱۴۷) اگر پہلے معنے پر عمل کر کے زانی و زانیہ کو ملک سے باہر نکالا جائے تو ان کی اصلاح نہ ہو سکے گی۔ بلکہ پہلے سے زیادہ بگڑ جائیں گے۔ اپنے ملک میں خویش و اقارب اور واقف کاروں کی وجہ سے بار بار اس حرکتِ خبیثہ کا ارتکاب نہیں ہو سکتا اور ملک سے باہر نکال دیئے جائیں تو یہ بندشیں اور رکاوٹیں ختم ہو جائیں گی اور عصمت فروشی و عصمت دری کے لیے دونوں بالکل آزاد ہو جائیں گے (العیاذ باللہ) اور اگر دوسرے معنے پر عمل کر کے دونوں کو اپنے ہی ملک کے قریبی قید خانہ میں بند کر دیا جائے مرد کو مردانہ وارڈ میں اور عورت کو زنانہ وارڈ میں۔ تو اس گھناؤنے جرم کے دوبارہ ارتکاب سے دونوں محفوظ ہو جائیں گے۔ معلوم ہوا کہ حنفی مذہب پر جس طرح آج سے کئی سو سال پہلے سے عمل ہوتا رہا ہے یونہی آج بھی اس مذہبِ مہذب پر عمل کیا جا سکتا ہے۔ بخلاف وہابی مذہب کے کہ وہ جس صدی میں انگریزوں اور ہندؤوں کی ملی جلی شرارت کے نتیجے میں پیدا ہوا۔ اس صدی میں بھی اس پر عمل کرنا ممکن نہیں۔

اعتراض ۳۲: فتاویٰ عالمگیری میں ہے۔ "کوئی شخص کسی عورت پر نکاح کا دعویٰ کرتا ہے وہ انکار کرتی ہے کہ نکاح نہیں ہوا۔ یہ اسے سو درہم دینے کر کے آمادہ کرتا ہے کہ تو نکاح کا اقرار کرلے تو اس کے اس (جھوٹے) اقرار سے جو شاہدوں کے روبرو ہوا۔ حنفی مذہب میں سچ مچ نکاح ہو جائے گا اور ان دونوں کو آپس میں مجامعت کرنی وغیرہ جائز ہوگی (جلد ۱ صٓ ۲۰ مطبوعہ مصر)

حالانکہ حدیث میں ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ میں ایک انسان ہوں اور تم میرے پاس جھگڑے لاتے ہو تم میں سے کوئی دوسرے کی بہ نسبت دلیل و حجت پیش کرنے میں زیادہ زبان آور ہو اور میں اس کی زبان سُن کر اس کے مطابق فیصلہ کر دوں تو وہ بھائی کے حق کو ہرگز قبول نہ کرے کیونکہ میں اسے آگ کا ایک ٹکڑا دے رہا ہوں (بخاری)

الجواب: حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی بعض پیش گوئیوں میں فرقہ ضالہ وہابیہ کے متعلق "سفہاء الاحلام" کا لفظ ذکر فرمایا ہے (نسائی جلد ۲ صہ۱۷۱) یعنی وہ لوگ ناقص العقل ہوں گے۔ فتاویٰ کے اس مسئلہ کو حدیث مذکور کے مخالف بتانا "سفہاء الاحلام" میں داخل ہونا ہے۔ اس مسکین فی العلم نے نہ حدیث کو سمجھا ہے نہ فتاویٰ عالمگیر کو۔ (۱) فتاویٰ میں دعویٰ نکاح کا ذکر ہے اور حدیث میں دعویٰ مال کا۔

(۲) فتاویٰ میں دعویٰ کو شہادت کے ساتھ ثابت کرنے کا ذکر ہے اور حدیث میں شہادت کا ذکر ہرگز نہیں بلکہ اس امر کی تصریح ہے کہ دو شخصوں نے مالِ وراثت میں جھگڑا کیا تھا۔ اور دونوں میں سے کسی کے پاس گواہ نہ تھے (مشکوٰۃ صہ۳۲۷)

(۳) فتاویٰ میں دعویٰ نکاح کے ساتھ عورت کو درہم دے کر راضی کر لینے کا ذکر ہے اور حدیث میں دوسرے فریق کو کچھ دے کر راضی کرنے کا ذکر نہیں۔ حدیث کا مطلب یہ ہے کہ اگر کوئی شخص کسی مال کا جھوٹا دعویٰ کرے اور اپنی زبان آوری کے سبب قاضیٔ اسلام سے اپنے حق میں غلط فیصلہ کرانے میں کامیاب ہو جائے تو اس غلط فیصلے سے حاصل کیا ہوا مال اس کے حق میں حلال نہیں ہوگا۔ حرام ہی رہے گا قاضی کا فیصلہ اس حرام کو حلال نہیں کر سکتا۔

لیکن عبارتِ فتاویٰ کا مطلب یہ ہے کہ اگر کوئی مرد کسی عورت غیر منکوحہ پر نکاح کا جھوٹا دعویٰ کرے اور گواہوں کی موجودگی میں عورت کو درہم دے کر اقرار نکاح پر رضامند کرلے اور قاضی ان کے نکاح کا فیصلہ کر دے تو وہ دونوں اگرچہ قبل ازیں میاں بیوی کے رشتہ میں منسلک نہ تھے۔ لیکن قاضی کے فیصلہ کے بعد رشتہ زوجیت میں منسلک ہو جائیں گے اور قاضی کا فیصلہ انشاءِ نکاح کا فائدہ دے گا۔ کیونکہ نکاح میں جو کچھ ضروری ہوتا ہے یا عام طور پر پایا جاتا ہے وہ سب کچھ صورت مفروضہ میں پایا گیا۔ (۱) نکاح خواں بھی ہے یعنی قاضی اسلام۔ (۲) حق مہر بھی ہے یعنی وہ درہم جن پر عورت کو رضامند کیا گیا (۳) گواہ بھی ہیں یعنی وہ دو شخص جنہیں قاضی کے سامنے پیش کیا گیا (۴) عورت مرد کی رضامندی بھی ہے کیونکہ مرد پہلے راضی تھا

اور عورت درہم لے کر راضی ہو گئی اور انشاء نکاح (فیصلہ قاضی اسلام) کے وقت دونوں رضامند تھے۔

یہ صورت دعویٰ مال میں نہیں بن سکتی۔ کیونکہ قاضی گواہوں کی موجودگی میں مرد عورت کی رضامندی سے دونوں کا نکاح تو کر سکتا ہے مگر مال کے جھوٹے مدعی کے لیے محض اس کی زبان آوری سے کسی کا مال حلال نہیں کر سکتا۔ بنابریں مسئلہ مذکورہ کے آخر میں لکھا ہے۔ وَاِلَّا لَا یَنْعَقِدُ النِّکَاحُ وَلَا یَسَعُهَا الْمُقَامُ مَعَ زَوْجِهَا۔ اگر یہ کارروائی گواہوں کے بغیر کی گئی تو نہ نکاح منعقد ہوگا نہ اس عورت کا اس مرد کے ساتھ ایک جگہ رہنا درست ہوگا (فتاویٰ ج ۱ ص ۲۸۲) فتاویٰ کی اس عبارت سے چونکہ وہابی فریب کامیاب نہ ہو سکتا تھا۔

بیوی کا دودھ: اس لیے انہوں نے اسے ذکر نہ کیا بلکہ اس عبارت کو اس طرح پی گئے جس طرح سردارِ وہابیہ مولوی ثناء اللہ امرتسری کے فتویٰ کے مطابق اس کے عقیدت مند اپنی بیویوں کا دودھ پی جاتے ہیں (فتاویٰ ثنائی جلد ۲ ص ۱۰۸)

فتاویٰ عالمگیری: کا یہ فتویٰ سیدنا علی شیرِ خدا مشکل کشا کرم اللہ تعالیٰ وجہہ الکریم کے درج ذیل فیصلہ کی روشنی میں مرتب فرمایا گیا ہے۔ "آپ کی خدمت میں ایک شخص نے حاضر ہو کر ایک عورت کے ساتھ نکاح کا دعویٰ کیا اور گواہ پیش کئے آپ نے بمطابق دعویٰ و شہادتِ گواہاں دونوں کے نکاح کا فیصلہ فرما دیا۔ اس پر عورت نے عرض کی اِنْ لَمْ یَکُنْ بُدٌّ یَا اَمِیْرَ الْمُؤْمِنِیْنَ فَزَوِّجْنِیْ۔ اے امیر المؤمنین اگر فیصلہ یہی ہے تو پھر آپ میرا اس مرد سے نکاح کر دیجئے (تاکہ ہم رشتۂ زوجیت میں سچ مچ منسلک ہو جائیں) آپ نے فرمایا شَاهِدَاكِ زَوَّجَاكِ دو گواہوں نے تیرا نکاح کرا دیا ہے (حاشیہ بخاری ص ۱۰۶۴) یعنی گواہوں کی موجودگی میں جو فیصلہ ہوا ہے۔ اس میرے فیصلے کے بعد اب جدید نکاح کی ضرورت نہیں۔

شیرِ خدا: اگر کوئی وہابی بسبب خارجی ہونے کے حضرت شیر خدا رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا فیصلہ

نہیں مانتا تو اس پر ہزار تف۔ ہم تو حنفی سُنّی ہیں۔ ہم اسے بدل وجان قبول کرتے ہیں۔ کیونکہ حضورِ اقدس صلّی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا۔

۱: اَنَا دَارُ الْحِکْمَۃِ وَعَلِیٌّ بَابُھَا میں حکمت و دانائی کا گھر ہوں علی اس کے دروازہ ہیں (مشکواۃ ص ۵۶۴)

۲: اَقْضٰی اُمَّتِیْ عَلِیٌّ میری امت کے سب سے اعلیٰ قاضی علی ہیں (الریاض النضرہ ص ۱۹۴ ج ۲)

۳: اَللّٰھُمَّ اَدِرِ الْحَقَّ مَعَہٗ حَیْثُ دَارَ۔ الٰہی جدھر علی ہو ادھر حق ہو (ترمذی ص ۲۱۳ ج ۲)

اعتراض ۲۲: فتاویٰ عالمگیری میں ہے جب خرید و فروخت میں ایجاب و قبول ہو جائے تو بیع لازم ہو جاتی ہے اب کسی کو اختیار نہیں بیع توڑنے کا۔ (جلد ۳ ص ۸)
حالانکہ حدیث میں ہے۔ نبی کریم صلّی اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا خرید و فروخت کرنے والے ایک دوسرے پر (بیع ثابت رکھنے یا توڑنے کا) اختیار رکھتے ہیں تا وقتیکہ جدا نہ ہو جائیں۔

الجواب: فتاویٰ عالمگیری کے مندرجہ مسئلہ کو حدیث مذکور کے مخالف بتانا وہابیہ کی جہالت و سفاہت ہے۔ حدیث کے الفاظ ملاحظہ ہوں۔ اَلْمُتَبَایِعَانِ بِالْخِیَارِ مَالَمْ یَتَفَرَّقَا خرید و فروخت کرنے والوں میں جب تک تفرق نہ پایا جائے تب تک انہیں اختیار ہوتا ہے (نسائی ص ۲۱۲ جلد ۲)

تفرق کی دو قسمیں ہیں ۱۔ تفرق بالاقوال یعنی بائع و مشتری خرید و فروخت سے متعلق گفتگو مکمل کر لیں مقدار ثمن و مقدار مبیع پر رضامند ہو کر بیع تام کر لیں (تفرق کی اس قسم کے پائے جانے کے لیے مجلس گفتگو کا بدلنا ضروری نہیں)

۲۔ تفرق بالابدان یعنی دونوں میں سے کوئی مجلس خرید و فروخت سے اٹھ کر چلا جائے۔ پھر تفرق بالابدان کی دو قسمیں ہیں ایجاب و قبول کے بعد دونوں میں سے کوئی مجلس سے اٹھ کر چلا جائے یا ایجاب کے بعد اور قبول سے پہلے۔ حدیث مذکور میں تفرق کی کسی خاص قسم کے مراد ہونے کی تصریح نہیں فرمائی گئی نہ تفرق بالاقوال کی نہ تفرق بالابدان کی پہلی قسم کی نہ

دوسری کی۔ اور جب تک حدیث ہی سے یہ ثابت نہ کیا جائے کہ یہاں صرف تفرق بالابدان کی پہلی قسم مراد ہے تب تک حنفیہ پر اس حدیث کی مخالفت کا ناپاک الزام درست نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ حنفی علماء (قدست اسرارہم) نے "مَالَمْ يَتَفَرَّقَا" سے تفرق بالاقوال مراد لیا ہے اور فرمایا ہے کہ جب تک بائع (بیچنے والا) اور مشتری (خریدنے والا) ایجاب و قبول مکمل نہیں کر لیتے اور بیع سے متعلق ان کی گفتگو پوری نہیں ہو جاتی تب تک ان میں سے ہر ایک کو رجوع کا اختیار ہے یعنی اگر بائع نے گفتگو میں پہل کی اور (مثلاً) کہا کہ میں یہ چیز پچاس روپے کی بیچتا ہوں تو جب تک مشتری اس چیز کو پچاس روپے کے عوض قبول نہیں کرتا تب تک بائع اپنی بات سے رجوع کر سکتا ہے۔ اور یوں ہی اگر مشتری نے گفتگو میں پہل کی اور (مثلاً) کہا کہ میں یہ چیز پچاس روپے کی خریدتا ہوں تو جب تک بائع اس چیز کو پچاس روپے میں بیچنا قبول نہیں کرتا تب تک مشتری کو اپنی بات سے رجوع کرنے کا اختیار ہے۔
لیکن جب دونوں پچاس روپے پر رضامند ہو جائیں اور ایجاب و قبول سے متعلق ان کی گفتگو پوری ہو جائے تو اب رجوع کا کسی کو اختیار نہیں رہتا اور از خود دوسرے کی رضامندی کے بغیر بیع کو کوئی نہیں توڑ سکتا۔ نہ بائع نہ مشتری۔ کیونکہ اب دونوں میں تفرق بالاقوال ہو چکا ہے۔ اور تفرق کے بعد اختیار نہیں رہتا۔

سوال: جب حدیث نے تفرق کی کسی خاص قسم کی تصریح نہیں فرمائی تو حنفیہ نے تفرق بالاقوال کے مراد ہونے کا قول کس دلیل سے کیا؟

جواب: حدیث کا لفظ "اَلْمُتَبَايِعَان" تفرق بالاقوال کے مراد ہونے پر دلالت کرتا ہے۔ کیونکہ حدیث نے "اَلْمُتَبَايِعَانِ" کو اختیار دیا ہے اور خرید و فروخت کرنے والوں پر "اَلْمُتَبَايِعَان" کا اطلاق حقیقتاً اسی وقت درست ہوتا ہے جبکہ وہ دونوں خرید و فروخت سے متعلق گفتگو کرنے میں مصروف ہوں کیونکہ جب ان کی یہ گفتگو مکمل ہو جائے اور ایک بات پہ دونوں رضامند ہو جائیں تو اب ان پر "اَلْمُتَبَايِعَان" کے لفظ کا حقیقتاً اطلاق نہیں

نو سلتا۔ (موطا امام محمد ص۲۶ ہدایۃ اخیرین ص۹ ے ۳ ھ)

چونکہ حنفی علمار قرآن دانی وحدیث دانی میں سب پر فائق ہیں اس لیے وہ اپنے استدلال کو مضبوط کرنے کے لیے فرماتے ہیں کہ قرآن وحدیث کے محاورہ میں بھی تفرق کو تفرق بالاقوال کے معنیٰ میں استعمال کیاگیا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا اِنْ یَّتَفَرَّقَا یُغْنِ اللّٰہُ کُلًّا مِّنْ سَعَتِہٖ اگر میاں بیوی متفرق ہوجائیں تو اللہ تعالیٰ اپنی کشائش سے ہر ایک کو دوسرے سے بے نیاز کردے گا (سورۃ النسار ع ۱۹) یہاں تفرق سے ابدانی تفرق مراد نہیں بلکہ "طلاقی" تفرق مراد ہے جو "بالاقوال" ہوتا ہے۔ حدیث شریف میں ہے اِنَّ بَنِیْ اِسْرَائِیْلَ تَفَرَّقَتْ عَلٰی ثِنْتَیْنِ وَسَبْعِیْنَ مِلَّۃً بنی اسرائیل بہتر ۷۲ ملتوں میں متفرق ہوگئے (مشکوٰۃ ص۳۰) اس جگہ ابدانی تفرق مراد نہیں اعتقادی تفرق مراد ہے جو بالاقوال ہوتا ہے۔

تائید مزید: درج ذیل حدیثیں بھی حنفی مذہب کی مؤید ہیں۔ ۱۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ لَا یَحِلُّ لَہٗ اَنْ یُّفَارِقَ خَشْیَۃَ اَنْ یَّسْتَقِیْلَہٗ۔ اس خوف سے مجلس بدلنا کہ ساتھی ابطال بیع کا مطالبہ نہ کرے درست نہیں (مشکوٰۃ ص۲۴۴) مطالبہ اس چیز کا کیاجاتا ہے جو حاصل نہ ہو۔ معلوم ہوا کہ بیع مکمل ہوجانے کے بعد خیار مجلس کسی کے لیے نہیں رہتا ورنہ ساتھی سے مطالبہ کرنے کے کیا معنے؟ ۲۔ رسول اکرم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے خَیَّرَ اَعْرَابِیًّا بَعْدَ الْبَیْعِ ایک اعرابی کو بیع ہونے کے بعد اختیار دیا (مشکوٰۃ ص۲۴۲) پتہ چلا کہ بیع مکمل ہونے کے بعد کسی کے لیے خیار مجلس نہیں رہتا کیونکہ اگر اعرابی کے لیے خیار مجلس ثابت بالعقد ہوتا تو حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اسے اختیار نہ دیتے جو چیز کسی کے پاس پہلے موجود ہوتی ہے وہ اسے نہیں دی جاسکتی (فان تحصیل الحاصل محال)

وہابی مذہب کی ناکامی: دیگر مسائل کی طرح اس مسئلہ میں بھی وہابی مذہب بُری طرح ناکام ہوچکا ہے۔ حرمین طیبین (زادہما اللہ شرفًا) میں خصوصًا اور دیگر ممالک عربیہ وعجمیہ میں عمومًا حنفی مذہب ہی کی تحقیق کے مطابق حدیث مذکور

پر عمل ہو رہا ہے۔ اگر مشتری ایجاب وقبول کے مکمل ہونے سے پہلے خریداری چھوڑ دے تو اسے تاجر برادری میں بُرا نہیں سمجھا جاتا لیکن بیع مکمل ہونے کے بعد اگر کوئی مشتری خریدی ہوئی چیز واپس کرے تو اسے واپس نہیں لیتے۔ بلکہ بعض دفعہ مشاتمت و مقاتلت تک نوبت پہنچ جاتی ہے۔ کیا وہابی تاجر اپنے گاہکوں کو اس کی اجازت دیں گے، کہ وہ ان کی دکانوں سے صبح سے شام تک مختلف اشیاء خریدتے رہیں اور شام کو سب چیزیں یہ کہہ کر واپس کردیں کہ چونکہ ہم نے مجلس نہیں بدلی لہٰذا یہ خریداریاں ہمیں نامنظور ہیں۔ اگر تمام مسلمانوں پر وہابی مذہب کی حقیقت منکشف ہو جائے ان کی جہالتوں ضلالتوں حماقتوں اور سفاہتوں کو سب جان جائیں تو کوئی شریف اور کوئی عقلمند اس نامہذب مذہب کو قبول کرنے کے لیے تیار نہ ہو لیکن مسلمان بھائیوں کی سادگی سے وہابیہ (خذلہم اللہ تعالیٰ) فائدہ اٹھا رہے ہیں اور کئی ایک کو اپنے پُر فریب جال میں پھنسا رہے ہیں ؎

خُدا محفوظ رکھے ہر بلا سے
خصُوصاً دشمنانِ اولیا سے

وہابیوں کی اصلاح کا انوکھا طریقہ: سُنا ہے کہ ایک وہابی مولوی کے دماغ میں کسی خناس نے یہ بات ڈالی کہ تو سردارِ وہابیہ ہے اور سب سے بڑا عالم ہے۔ تجھے ائمہ اربعہ میں سے کسی کی تقلید کی قطعاً ضرورت نہیں۔ تُو خود مجتہد مطلق ہے۔ اپنے اس منصب اجتہاد سے فائدہ اٹھا اور وہابیہ کو اجتہادی افادات سے نواز۔ بمطابق اس مشورہ ووسوسہ کے سردارِ وہابیہ نے اجتہاد کیا کہ اگر کوئی شخص محتلم ہو جائے اور جس کے ساتھ خود کو مشغول دیکھا اسے پہچانتا بھی ہو تو اس کو چاہیے کہ فریق ثانی کو بھی آگاہ کر دے تاکہ وہ بھی غسل کرے۔ اگلے دن علی الصبح کئی نوجوان مجتہد صاحب کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کی کہ حضرت! گھر میں غسل کی تاکید کردیں کیونکہ آج خواب میں ان کے ساتھ مشغولیت نظر آئی تھی۔ یہ سنتے ہی مجتہد صاحب نے

خناس پر ہزار لعنت بھیجی اور اپنے انوکھے اجتہاد سے رجوع کیا اور منصبِ اجتہاد پر فائز ہونے کا زعمِ باطل نو دو گیارہ ہوگیا۔

یونہی اگر کوئی وہابی مرغیوں کا بڑا تاجر ہو۔ اُسے کوئی جاکر کہے کہ میں سابق وفاقی وزیر چوہدری ظہور الٰہی کا رشتہ دار ہوں۔ مجھے اپنی لڑکی کی شادی کے لیے بیس ہزار مرغیوں کی ضرورت ہے۔ پیسے طے ہو جائیں ایجاب وقبول مکمل ہو جائے اور حسبِ عادتِ تجار مرغیاں ذبح ہو جائیں ان کی کھالیں اتروا کر جماعت اسلامی کے دفتر میں بھجوائی جانے لگیں اور تمام کام مکمل ہونے کے بعد مرغیوں کا خریدار یہ کہہ کر سب مرغیاں واپس کر دے کہ چونکہ تاہنوز ہماری مجلس گفتگو نہیں بدلی لہٰذا میں اس بیع کو توڑتا ہوں۔ تو اس ایک واقعہ کے ذریعہ سردارِ وہابیہ کی طرح اس وہابی تاجر کی بھی اصلاح ہو جائے گی اور ایک ہی سانس میں وہابی مذہب کو طلقاتِ ثلاثہ مغلظہ دے دے گا۔ اور حنفی مذہب کو بدل وجان قبول کرے گا۔ کیونکہ حنفی مذہب میں ایجاب وقبول کے بعد کسی کو بیع توڑنے کا اختیار نہیں رہتا۔

اعتراض ۲۴: اگر کوئی شخص اپنی زمین اس غرض سے کسی کو دے کہ وہ اس میں کاشت کرے اور مالک اس سے اپنا حصہ مقرر کرے تو جائز نہیں۔ عند ابی حنیفہ (فتاویٰ عالمگیر جلد ۵ صـ۲۳۵ وہدایہ) حالانکہ نبی کریم صلّی اللہ علیہ وسلم نے خیبر کے کھجوروں کے درخت اور زمین یہود کو دے دی اس شرط پر کہ وہ اپنے اموال صرف کر کے کام کریں اور پھلوں کا نصف آپ کو دیں۔ (مسلم)

الجواب: وہابیہ نے خیبر کی کھجوروں کا جو مسئلہ حدیث شریف سے نقل کیا ہے یہ مسئلہ خراج مقاسمہ کا ہے۔ مزارعت کا نہیں اور جو مسئلہ فتاویٰ عالمگیر سے نقل کیا ہے یہ مسئلہ مزارعت کا ہے خراج مقاسمہ کا نہیں۔ خراج مقاسمہ میں اور مزارعت میں فرق ہے یہ دو الگ الگ چیزیں ہیں ان دونوں کو فتاویٰ عالمگیری کے مختلف ابواب میں

بالتفصیل بیان کیا گیا ہے۔ وہابیہ کی حماقت وجہالت ہے کہ دو مختلف چیزوں کو ایک سمجھ رہے ہیں اور اپنی کج فہمی پر رونے کی بجائے فتاویٰ عالمگیر پر اعتراض کر رہے ہیں ؎

سخن شناس نئی نجد یا خطا اینست

فتاویٰ کی عبارتیں ملاحظہ ہوں۔

خراجِ مقاسمہ: هُوَ اَنْ يَكُوْنَ الْوَاجِبُ شَيْئًا مِنَ الْخَارِجِ نَحْوَ الْخُمُسِ وَالسُّدُسِ وَمَا اَشْبَهَ ذَالِكَ فَالتَّقْدِيْرُ فِيْهِ مُفَوَّضٌ اِلَى الْاِمَامِ لٰكِنْ لَا يُزَادُ عَلٰى نِصْفِ الْخَارِجِ یعنی خراجِ مقاسمہ یہ ہے کہ کافر پر اس کی زمین کی پیداوار میں سے پانچواں یا چھٹا یا اس کی مانند کوئی حصہ امام المسلمین اپنی مرضی سے مقرر کرے لیکن وہ نصف پیداوار سے زیادہ نہ ہو (جلد ۲ صـ۲۲۷ـ۲۲۹) دیکھئے یہ مسئلہ حدیث خیبر کے بالکل موافق ہے لیکن بے چارے وہابی فقہ وحدیث کی صحیح سمجھ کہاں سے لائیں ؟

مزارعت: فَهِيَ فَاسِدَةٌ عِنْدَ اَبِيْ حَنِيْفَةَ رَحْمَتُهُ اللّٰهِ تَعَالٰى وَعِنْدَ هُمَا جَائِزَةٌ وَالْفَتْوٰى عَلٰى قَوْلِهِمَا لِحَاجَةِ النَّاسِ۔ اپنی زمین کسی کو بٹائی پر دینا (مزارعت) امام ابو حنیفہ علیہ الرحمۃ کے نزدیک فاسد ہے اور صاحبین کے نزدیک جائز ہے اور لوگوں کی ضرورت کی وجہ سے فتویٰ صاحبین کے قول پر ہے (جلد ۵ صـ۲۳۵) دیکھئے فتاویٰ عالمگیری نے مزارعت کو جائز کہا ہے اور اسے مفتی بہ قرار دیا ہے لیکن وہابیہ (غضبہم اللہ) نے بد دیانتی سے کام لے کر "عند ابی حنیفہ" کے بعد والی ساری عبارت حذف کر دی اور فتاویٰ عالمگیری سے عناد رکھنے کے جنوں میں غلط بیانی کی ؎

شرمِ نبی خوفِ خدا یہ بھی نہیں وہ بھی نہیں

مزارعت کا اصل مسئلہ معلوم کرنے کے لیے درج ذیل حدیثیں ملاحظہ ہوں۔

(۱) سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما فرماتے ہیں کہ "ہم مزارعت کیا کرتے تھے اور اس میں کچھ حرج نہ سمجھتے تھے یہاں تک کہ رافع بن خدیج نے بتایا کہ" اِنَّ النَّبِيَّ

صلّی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نَھٰی عَنْھَا " نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے منع فرمایا ہے تو ہم نے مزارعت چھوڑ دی (مشکواۃ ص۲۵۷)

۲: رافع بن خدیج رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ مدینہ منورہ میں سب سے زیادہ ہمارے کھیت تھے ہم میں بعض اپنی زمین اس طرح کرایہ پر دیتے کہ زمین کے اس ٹکڑے کی پیداوار میری ہوگی اور اس دوسرے ٹکڑے کی پیداوار تمہاری ہوگی۔ فَرُبَمَا اُخْرِجَتْ ھٰذِہٖ وَلَمْ تُخْرِجْ ذِہٖ فَنَھَاھُمُ النَّبِیُّ صلّی اللہ علیہ وسلّم تو کبھی ایسا ہوتا کہ ایک ٹکڑے میں پیداوار ہوتی اور دوسرے میں نہ ہوتی۔ بنابریں نبی صلّی اللہ علیہ وسلم نے لوگوں کو مزارعت سے منع فرمایا۔ (مشکواۃ ص۲۵۷)

۳: سیدنا جابر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضورِ اقدس صلّی اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا۔ مَنْ لَّمْ یَذَرِ الْمُخَابَرَۃَ فَلْیُؤْذِنْ بِحَرْبٍ مِّنَ اللہِ وَرَسُوْلِہٖ ۔ جو شخص مزارعت نہیں چھوڑتا اسے آگاہ کیا جائے کہ اس کی اللہ و رسول (جل جلالہٗ و صلّی اللہ علیہ وسلم) سے جنگ ہے (ابو داؤد ص۲۸۳)

۴: رافع بن خدیج نے بتایا کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد کریم میں ہم لوگ مزارعت کیا کرتے تھے کہ میرے چچوں میں سے بعض نے آکر بتایا کہ رسول اکرم صلّی اللہ علیہ وسلم نے اس نفع بخش مزارعت سے منع فرمادیا ہے اور ہمارے لیے زیادہ نفع آپ ہی کی اطاعت میں ہے۔ آپ کے ارشاد کے الفاظ یہ ہیں مَنْ کَانَتْ لَہٗ اَرْضٌ فَلْیَزْرَعْھَا اَوْلِیُزْرِعْھَا اَخَاہُ وَلَا یُکَارِیْھَا بِثُلُثٍ وَّلَا رُبُعٍ وَّلَا بِطَعَامٍ مُّسَمًّی جس کی ملک میں زرعی زمین ہو اسے چاہیئے کہ خود کاشت کرے یا مسلمان بھائی کو کاشت کے لیے مفت دے۔ کرایہ پر نہ دے نہ تہائی کے عوض نہ چوتھائی کے عوض نہ معین طعام کے عوض (ابو داؤد ص۴۸۲)

۵: عمرو بن دینار نے طاؤس سے کہا کہ آپ مزارعت ترک کر دیتے تو اچھا ہوتا۔ کیونکہ لوگ کہتے ہیں کہ حضور اقدس صلّی اللہ علیہ وسلم نے اس سے منع فرمایا ہے۔ انہوں نے کہا مجھے ابن عباس نے خبر دی کہ نبی صلّی اللہ علیہ وسلّم نے مزارعت سے علی الاطلاق نہیں روکا بلکہ

آپ نے فرمایا ہے۔ اِن یَمْنَحَ اَحَدُکُمْ اَخَاہُ خَیْرٌ لَہٗ مِنْ اَنْ یَّأْخُذَ علیہ خرجاً مَعْلُوْمًا
اپنے مسلمان بھائی کو کاشت کے لیے زمین مفت دینا معاوضہ پر دینے سے بہتر ہے۔
(مشکوٰۃ ص ۲۵۷) بٹائی پر زمین دینا بلحاظِ شروط لازمہ جائز تو ہے لیکن زیادہ بہتری اس میں ہے کہ مفت دی جائے۔

ان حدیثوں سے معلوم ہوا کہ بٹائی پر زمین دینے کی مختلف صورتیں ہیں۔ بعض صورتیں جائز ہیں اور بعض ناجائز۔ حدیث میں جس صورت کا ذکر فرمایا گیا وہ اور اس سے ملتی جلتی ہر صورت ناجائز ہے کیونکہ اس میں بعض دفعہ ایک فریق بالکل محروم ہو جاتا ہے اور حدیث ۳ میں جو وعید ذکر فرمائی گئی ہے وہ اسی صورت سے متعلق ہے۔ جن علماء نے مزارعت کو فاسد کہا انہوں نے احادیث عدم جواز کے پیش نظر فاسد کہا اور جنہوں نے اجازت دی انہوں نے احادیث جواز کے پیش نظر اجازت دی۔ نہ مانعین نے حدیث کی مخالفت کی ہے نہ مجوزین نے۔ تو ان میں سے کسی کے قول کو مخالفت حدیث بتانا جہالت و حماقت ہے چونکہ حنفی علماء (قدست اسرارہم) کی نظر سب حدیثوں پر ہے اور لوگوں کی ضروریات و حاجات پر بھی۔ اس لیے انہوں نے بعض شرائط کا لحاظ رکھ کر مزارعت کی اجازت دی ہے اور اس جواز کو مفتیٰ بہ قرار دیا ہے لیکن وہابیہ کو جوشِ عناد نے ایسا اندھا کر دیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے علماء احناف کو جس قدر علم و فضل سے نوازا ہے وہ وہابیہ کو نظر نہیں آتا ؎

گر نہ بیند بروز شپرہ چشم
چشمۂ آفتاب را چہ گناہ

اعتراض ۲۵: "ایک کافر مر دیا اس کی عورت مسلمان ہو کر دار الحرب سے دار الاسلام میں آجائے تو ان کا آپس میں نکاح نہیں رہتا ٹوٹ جاتا ہے۔ (فتاویٰ عالمگیری جلد ۱ ص ۳۳۸ سطر ۱۲) حالانکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی بیٹی زینب کو ہجرت کے چھ سال بعد ابوالعاص بن ربیع کے ساتھ روانہ کر دیا۔ آپ نے پہلا ہی نکاح بحال رکھا (نیا نکاح

نہیں کیا ۔"

الجواب: وہابیہ (خذلھم اللہ تعالیٰ) کا یہ اعتراض بھی ان کے جاہل بالقرآن اور جاہل بالحدیث ہونے کی دلیل ہے کیونکہ فتاویٰ عالمگیری کا یہ مسئلہ صراحۃً قرآن وحدیث سے ثابت ہے ۔ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا۔ اِنْ عَلِمْتُمُوْهُنَّ مُؤْمِنَاتٍ فَلَا تَرْجِعُوْهُنَّ اِلَى الْكُفَّارِ لَا هُنَّ حِلٌّ لَّهُمْ وَلَا هُمْ يَحِلُّوْنَ لَهُنَّ وَاٰتُوْهُمْ مَّا اَنْفَقُوْا وَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ اَنْ تَنْكِحُوْهُنَّ ۔ (کفرستان سے اپنے گھر چھوڑ کر آنے والی عورتیں) اگر تمہیں ایمان والیاں معلوم ہوں تو انہیں کافروں کو (جو ان کے شوہر تھے) واپس نہ دو ۔ یہ مسلمان عورتیں انہیں حلال ہیں نہ وہ کافر مرد انہیں حلال ہیں ۔ اور ان کے کافر شوہروں کو دے دو جو ان کا خرچ ہوا اور تم پر کچھ گناہ نہیں کہ ان مہاجر عورتوں سے نکاح کر لو (الممتحنۃ ع ۲ پ ۲۸)

حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے مروی ہے کہ اِذَا اَسْلَمَتِ النَّصْرَانِيَّةُ قَبْلَ زَوْجِهَا بِسَاعَةٍ حُرِّمَتْ عَلَيْهِ یعنی اگر نصرانی عورت اپنے خاوند سے پہلے مسلمان ہو جائے اور اس کا خاوند اسلام لانے سے انکار کرے یہ انکار اگرچہ ایک آن کے لیے ہو تو اس پر وہ عورت حرام ہو جاتی ہے (بخاری جلد ۲ صـ۷۹۶)

ام المؤمنین الصدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ "ابوالعاص کفر کی حالت میں مسلمان ہونے سے پہلے مدینہ منورہ میں حضرت زینب سے ملنے کے لیے آیا تو حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔ اَيْ بُنَيَّةُ اَكْرِمِيْ مَثْوَاهُ وَلَا يَخْلُصُ اِلَيْكِ فَاِنَّكِ لَا تَحِلِّيْنَ لَهُ ۔ پیاری بیٹی! ابوالعاص کو اکرام کے ساتھ ٹھہرا پر وہ تجھ تک نہ پہنچے (پس پردہ رہے) کیونکہ تو اس پر حلال نہیں (بیہقی جلد ۷ صـ۱۸۵)

آیۃ مذکورہ سے اور مندرجہ بالا حدیثوں سے وہی مسئلہ معلوم ہوا جسے فتاویٰ عالمگیری میں ذکر فرمایا گیا ہے کہ جب عورت مسلمان ہو جائے اور اس کا خاوند کفر پر قائم رہے اور مسلمان ہونے سے انکار کرے تو ان کا نکاح ٹوٹ جاتا ہے ۔ اور سیدہ زینب رضی اللہ تعالیٰ عنہا

کے خاوند ابوالعاص نے جب مسلمان ہونے سے انکار کیا اور سیدہ ہجرت کر کے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمتِ بابرکت میں حاضر ہوگئیں تو ان کا نکاح بھی ٹوٹ گیا۔ سیدنا ابنِ عباس کی روایت سے معلوم ہوا کہ ایک آن کے لیے انکار کرنا بھی نکاح کو توڑ دیتا ہے اور ابوالعاص نے تو ۸ سال تک انکار کیا پھر اسلام قبول کیا (الجوہر النقی علی البیہقی ج ۷ ص ۱۸۸) تو ان کا پہلے والا نکاح کس طرح برقرار رہ سکتا ہے۔ بنا بریں حضرت عمرو بن شعیب عن ابیہ عن جدہ روایت فرماتے ہیں کہ ابوالعاص نے جب اسلام قبول کیا تو اِنَّ النَّبِیَّ صلی اللہ علیہ وسلم رَدَّ اِبْنَتَہٗ عَلٰی ابی العاص بن الربیع بِمَھْرٍ جَدِیْدٍ وَنِکَاحٍ جَدِیْد نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی صاحبزادی حضرت زینب (رضی اللہ تعالیٰ عنہا) کو نئے مہر اور نئے نکاح کے ساتھ ابوالعاص کی طرف لوٹایا (ترمذی جلد ۱ ص ۱۳۶ ابن ماجہ ص ۱۴۶ بیہقی ج ۷ ص ۱۸۸)

اگر عورتوں کے مسلمان ہو کر ہجرت کرنے اور کافر خاوندوں کو کفرستان میں چھوڑ دینے سے فوراً نکاح نہ ٹوٹتا تو اللہ تعالیٰ مندرجہ بالا آیت میں لَا جُنَاحَ عَلَیْکُمْ اَنْ تَنْکِحُوْھُنَّ ارشاد فرما کر مسلمانوں کو ان عورتوں سے نکاح کی اجازت ہرگز نہ دیتا ؎

اگر در خانہ کس است یک حرف بس است

سوال: وہابیہ کی ذکر کردہ حدیث کا حنفیہ کے ہاں کیا جواب ہے؟

الجواب: پہلے اس حدیث کے اصل الفاظ سنیئے پھر مطلب معلوم کیجئے۔ عن ابن عباس قال رَدَّ النَّبِیَّ صلی اللہ علیہ وسلم اِبْنَتَہٗ زَیْنَبَ عَلٰی اَبِی الْعَاصِ بْنِ الرَّبِیْعِ بَعْدَ سِتِّ سِنِیْنَ بِالنِّکَاحِ الْاَوَّلِ وَلَمْ یُحْدِثْ نِکَاحًا وفی روایۃ لم یُحْدِثْ شَیْئًا (ترمذی ص ۱۳۶)

حنفی علماء چونکہ حدیث دانی و فقہ دانی میں سب محدثین اور جملہ فقہاء پر فائق ہیں اس لیے ان نفوسِ قدسیہ نے اس حدیث کا ایسا مطلب بیان فرمایا کہ سب حدیثیں باہم منطبق ہوگئیں اور ان میں کسی قسم کا اختلاف نہ رہا اور آیت کریمہ سے بھی سب کی موافقت ہوگئی۔ ان کا ارشاد ہے کہ "بِالنِّکَاحِ الْاَوَّلِ" میں حرف "ب" بمعنے سبب ہے۔ اور مطلب

حدیث شریف کا یہ ہے کہ چونکہ سیدہ زینب پہلے ابوالعاص کے نکاح میں رہ چکی تھیں اس لیے جب ان کے اسلام کے اٹھارہ برس بعد اور ہجرت کے چھ برس بعد ابوالعاص نے اسلام قبول کیا اور ہجرت کی تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے بسبب پہلے نکاح کے ابوالعاص کو دوسروں پر ترجیح دی اور سیدہ زینب کا دوبارہ نکاح ابوالعاص ہی سے کر دیا (ولم یحدث نکاحًا او شیئًا) اور جتنا مہر پہلے نکاح کا تھا اتنا ہی اب مقرر فرمایا۔ نکاح جدید میں کسی عطیہ وغیرہ کے لینے دینے کا اضافہ نہ فرمایا۔

اس تقریر سے جہاں سب حدیثیں باہم منطبق ہوگئیں وہاں کوئی حدیث متروک بھی نہیں ہوئی اور کسی حدیث کی آیتہ مذکورہ سے مخالفت بھی لازم نہ آئی۔

اگر حدیث کا وہ مطلب لیا جائے جسے وہابیہ نے فتاویٰ عالمگیری پر اعتراض کرنے کے لیے اختیار کیا تو اس حدیث کی آیتہ مذکورہ سے نیز حدیث عمرو بن شعیب سے نیز حدیث ام المؤمنین عائشہ الصدیقہ سے (بیہقی جلد ۷ ص۱۸۵) مخالفت لازم آئے گی۔ بلکہ ابن عباس کی یہ حدیث ان کی دوسری حدیث (مذکور فی البخاری جلد ۲ ص۹۶) کے بھی مخالف ہو جائے گی۔ بُرا ہو طائفہ مخذولہ وہابیہ کے تعصب کا کہ انہوں نے فتاویٰ عالمگیری کی دشمنی میں قرآن مجید سے بھی منہ پھیر لیا اور احادیث شریفہ سے بھی۔ اور تعصب نے اتنا جوش مارا کہ بخاری شریف سے بھی منحرف ہوگئے ؎

اف ارے منکر یہ بڑھا جوش تعصب آخر
بھیڑ میں ہاتھ سے کمبخت کے ایمان گیا

اعتراض ۲۶: "اگر کسی لونڈی سے نکاح کرے اور اس کی آزادی کو مہر ٹھہرا دے تو وہ نکاح درست نہیں (عالمگیر جلد ۱ ص۱۰۱ مطبوعہ دہلی) حالانکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے خود ایسا نکاح کیا ہے۔"

الجواب: جھوٹے وہابیوں نے حدیث شریف کا حوالہ بالکل نہیں دیا۔ اور جو عبارت

فتاویٰ عالمگیری کی طرف منسوب کی وہ فتاویٰ میں موجود نہیں اور جو فتاویٰ میں موجود ہے وہ اس من گھڑت عبارت کے موافق نہیں ملاحظہ ہو۔ لَوْ قَالَ لِاَمَتِهٖ اَعْتَقْتُكِ عَلٰی اَنْ تَتَزَوَّجِیْنِیْ وَیَكُوْنَ الْعِتْقُ صَدَاقَكِ فَقَبِلَتْ عَتَقَتْ ثُمَّ اِنْ وَفَتْ بِالشَّرْطِ وَزَوَّجَتْ نَفْسَهَا مِنْهُ فَلَاشَیْئَ عَلَیْهَا وَاِلَّا یَجِبُ عَلَیْهَا قِیْمَةُ نَفْسِهَا۔ یعنی اگر آقا نے اپنی لونڈی سے کہا کہ میں تجھے بلا معاوضہ اس شرط پر آزاد کرتا ہوں کہ تو آزاد ہونے اور نکاح میں خود مختار ہونے کے بعد مجھ ہی سے نکاح کرے گی اور تیرا مہر نکاح اس آزادی کو سمجھا جائے گا۔ لونڈی نے یہ شرط منظور کر لی تو وہ آزاد ہو جائے گی۔ پھر اگر اس نے آزاد ہونے کے بعد وعدہ پورا کیا اور اس مرد سے نکاح کر لیا تو اس پر کچھ لازم نہ ہوگا اور اگر عورت نے وعدہ خلافی کی اور آزاد کرنے والے آقا سے نکاح نہ کیا تو لونڈی ہونے کی حالت میں جو اس کی قیمت تھی وہ قیمت مرد کو ادا کرنی عورت پر لازم ہوگی (جلد ا ص ۳۰۹)

اس عبارت میں اور وہابیہ مخذولہ کی ذکر کردہ عبارت میں بہت بڑا فرق ہے جسے ہر شخص سمجھ سکتا ہے۔ نیز یہ عبارت حضور اقدس صلّی اللہ علیہ وسلم کی کسی حدیث کے مخالف ہرگز نہیں۔ اگر کوئی نام نہاد اہل حدیث اس عبارت کو کسی حدیث کے مخالف سمجھتا ہے تو وہ اس حدیث کو (مع نام کتاب باب نمبر صفحہ) ذکر کر کے فقہ حنفی کے اس ادنیٰ خادم سے جواب لے سکتا ہے لیکن ؎

نہ خنجر اٹھے گا نہ تلوار ان سے
یہ بازو میرے آزمائے ہوئے ہیں

ساری عمر خدمت اسلام میں صرف کرنے والے نفوسِ قدسیہ کے بدترین مخالف وہابی ہفت روزہ نام نہاد "الاسلام" لاہور نے بھی شیخ نجدی علیہ ما علیہ کی خوشنودی حاصل کرنے کے لیے فتاویٰ عالمگیری پر دو اعتراض کرنے کی شقاوت حاصل کی ہے۔ ایک اعتراض سیالکوٹ کے کسی مجہ[illegible] نیم حکیم کی طرف سے ذکر کیا گیا ہے اور دوسرا کسی غیر معروف

نیم ملا عبداللہ عفیف کی طرف سے ۔پہلا ۱۸ر مئی ۱۹۷۹ء کی اشاعت میں اور دوسرا یکم جون کی اشاعت میں چھپا ۔ ذیل میں پہلے ، پہلے کا پھر دوسرے کا جواب بتوفیقہٖ تعالیٰ وعونہٖ عرض ہوگا اور نیم حکیم و نیم ملاں دونوں کی جہالتوں و حماقتوں سے خود بخود پردہ اُٹھتا جائے گا ۔ (انشاء اللہ)

خُدا ایسی قوت دے میرے قلم میں
کہ بد مذہبوں کو سدھارا کردوں میں

اعتراض ۱ فتاویٰ عالمگیری جلد ۲ میں ہے " زوجہ مفقود الخبر نوے برس انتظار کرے "

جواب : " نوے برس انتظار کرے " کے الفاظ فتاویٰ کے نہیں حکیم صاحب کے منگھڑت ہیں ۔ فتاویٰ کی اصل عبارت یہ ہے ۔ لَا یُفَرِّقُ بَیْنَہٗ وَبَیْنَ اِمْرَأَتِہٖ وَحُکِمَ بِمَوْتِہٖ بِمُضِیِّ تِسْعِیْنَ سَنَۃً وَعَلَیْہِ الْفَتْوٰی ..... وَاِذَا حُکِمَ بِمَوْتِہٖ اِعْتَدَّتْ اِمْرَأَتُہٗ عِدَّۃَ الْوَفَاۃِ مِنْ ذَالِکَ الْوَقْتِ .... فَاِنْ عَادَ زَوْجُھَا بَعْدَ مُضِیِّ الْمُدَّۃِ فَھُوَ اَحَقُّ بِھَا ۔ یعنی مفقود اور اس کی بیوی کے درمیان قاضی تفریق نہ کرے ۔ہاں جب مفقود کی عمر نوّے برس ہوجائے تو اب اس کی موت کا فیصلہ کرے اسی پر فتویٰ ہے اور فیصلۂ موت کے بعد اس کی بیوی عدت وفات (چار ماہ دس دن) گزارے اور اگر نوے برس گزرنے کے بعد عورت کا خاوند اس کے نکاح ثانی سے پہلے گھر واپس آجائے تو وہ اسی کی بیوی سمجھی جائے گی (صت۲ جلد ۲) معلوم ہوا خاوند کا ۹۰ برس کی عمر کو پہنچنا نکاح ٹوٹنے کا اصل سبب نہیں بلکہ نکاح ٹوٹنے کا اصل سبب صرف یہ ہے کہ خاوند طلاق دے یا مرجائے ۔ ۹۰ برس پر فتویٰ صرف اس لیے دیا گیا ہے کہ عموماً اس عمر کا آدمی مرجاتا ہے ۔ بنا بریں اگر ۹۰ برس کے بعد خاوند گھر آجائے تو یہ عورت بدستور اسی کی بیوی رہتی ہے ۔ اور دوسری جگہ نکاح کرنے کی مجاز نہیں ہوتی ۔ فتاویٰ عالمگیری کا یہ فتویٰ قرآن مجید کی کسی آیت یا رسولِ اکرم سیّدِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی کسی حدیث کے ہرگز مخالف نہیں اس لیے حکیم مذکور نے

بے تحاشا ہاتھ پاؤں مارنے کے باوجود اس فتویٰ کے خلاف نہ کوئی آیت پیش کی ہے نہ حدیث اور نہ ہی کسی دوسرے وہابی میں اس کے خلاف آیت و حدیث پیش کرنے کی ہمت ہے۔ اُدْعُوا شُهَدَاءَكُمْ إِنْ كُنْتُمْ صَادِقِيْنَ ؎

اس سادگی پہ کون نہ مرجائے اے خُدا
لڑتے ہیں لیکن ہاتھ میں تلوار بھی نہیں

البتہ ہم فتاویٰ عالمگیری کے فتویٰ کی تائید میں آیاتِ مبارکہ بھی پیش کر سکتے ہیں اور احادیثِ شریفہ بھی ملاحظہ ہوں۔

آیت ۱: وَالْمُحْصَنَاتُ مِنَ النِّسَاءِ اور تم پر حرام ہیں شوہر دار عورتیں (النساء ع ۴) جن کے خاوند مفقود ہو جائیں وہ عورتیں پہلے کی طرح اب بھی شوہر دار ہیں جب تک انہیں طلاق نہیں ملتی یا خاوند نہیں مرتے تب تک وہ انہیں کے حبالۂ عقد میں ہیں تو اس آیت کی رو سے ان سے نکاح درست نہیں۔

آیت ۲: بِيَدِهٖ عُقْدَةُ النِّكَاحِ نکاح کی گرہ صرف خاوند کے ہاتھ ہے (البقرہ ع ۳) مفقود الخبر بھی خاوند ہی ہے تو نکاح کی گرہ کو وہی کھول سکتا ہے۔ یعنی اس کے سوا کوئی دوسرا طلاق نہیں دے سکتا تو جب تک اس کے مرنے یا طلاق دینے کی یقینی خبر نہ پہنچے تب تک اس کی بیوی سے نکاح درست نہیں۔ کیونکہ ابھی تک نکاح سابق کی گرہ نہیں کھلی۔

حدیث ۱: يَا أَيُّهَا النَّاسُ إِنَّمَا الطَّلَاقُ بِيَدِ مَنْ أَخَذَ بِالسَّاقِ اے لوگو طلاق کا مالک صرف خاوند ہے (طبرانی فیض القدیر جلد ۲ ص ۲۹۳) مفقود الخبر جب خاوند ہے تو اس کی بیوی کو اس کے سوا کوئی طلاق نہیں دے سکتا تو خاوند کی موت یا طلاق کے بغیر اس سے نکاح درست نہیں۔

حدیث ۲: مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ رسولِ کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا۔ اِمْرَأَةُ الْمَفْقُوْدِ اِمْرَأَتُهٗ حَتّٰى يَأْتِيَهَا الْبَيَانُ مفقود کی عورت

جب تک بیان نہ آجائے (یعنی اس کی موت یا طلاق معلوم نہ ہو) اسی کی عورت ہے
(بیہقی جلد ۷، ص ۴۴۵)

حدیث ۳: حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے مفقود کی عورت کے متعلق فرمایا کہ اِمْرَأَةٌ اُبْتُلِیَتْ فَلْتَصْبِرْ لَا تَنْکِحُ حَتّٰی یَأْتِیَهَا یَقِیْنُ مَوْتِهٖ وہ ایک عورت ہے جو مصیبت میں مبتلا کی گئی اس کو صبر کرنا چاہیئے۔ دوسری جگہ نکاح نہیں کرنا چاہیئے جب تک موت کی یقینی خبر نہ آئے (بیہقی جلد ۷، ص ۴۴۶)

حدیث ۴: عن ابن مسعود وافق علیا علی انها تنتظر ابدا حضرت ابن مسعود نے حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی موافقت کی اور فرمایا کہ مفقود کی بیوی اس کی موت تک انتظار کرے (الدرایۃ فی تخریج احادیث الہدایۃ ص ۲۷۶)

سوال: مغیرہ بن شعبہ کی حدیث کا راوی سوار بن مصعب اور محمد بن شرجیل دونوں ضعیف ہیں (بیہقی ص ۴۴۵ درایۃ ص ۲۷۶ فتح القدیر جدید ص ۴۷۲ جلد ۵)

جواب: جب تحقیق بالا سے معلوم ہو گیا کہ مغیرہ بن شعبہ کی حدیث کا مضمون آیاتِ قرآنیہ کے اور حدیث ۱-۲-۳-۴ کے موافق ہے تو سند کے بعض رواۃ کے ضعیف ہونے سے مضمونِ حدیث ضعیف نہیں ہو سکتا۔ جیسا کہ ترمذی جلد ۱ ص ۱۳۳ اور مشکواۃ ص ۲۷۵ میں اس حدیث کی سند کو لَا یَصِحُّ کہا گیا ہے جس کا مضمون سورۃ النساء ع ۲ آیت ۱ کے بالکل مطابق ہے اور صحیح ہے۔

سوال: سیدنا عمر ابن الخطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی خدمت میں ایک عورت نے اپنے خاوند کی گمشدگی کی شکایت کی تو آپ نے اسے صرف چار برس انتظار کرنے کا حکم دیا (بیہقی جلد ۷، ص ۴۴۶)

جواب: اس اعتراض کی صحت اس پر موقوف ہے کہ معترضین معتبر سند کے ساتھ ثابت کریں کہ اس عورت کا خاوند گمشدگی کے وقت ۸۶ برس سے کم عمر

کا تھا۔ کیونکہ ۸۶ سال کی عمر کا آدمی گم جائے تو فتاویٰ عالمگیری کے مطابق بھی اس کی بیوی چار سال کے بعد عدت وفات گزار کر نکاح ثانی کر سکتی ہے۔

سوال: حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے مندرجہ بالا فیصلہ کے ساتھ بطور قاعدہ کلیہ یہ بھی ارشاد فرمایا کہ اَیُّمَا امْرَأَۃٍ فَقَدَتْ زَوْجَھَا فَلَمْ تَدْرِ اَیْنَ ھُوَ فَاِنَّھَا تَنْتَظِرُ اَرْبَعَ سِنِیْنَ ثُمَّ تَنْتَظِرُ اَرْبَعَۃَ اَشْھُرٍ وَّعَشْرًا جس عورت کا خاوند گم جائے اور وہ نہ جانتی ہو کہ کہاں گیا؟ تو وہ عورت چار برس انتظار کرے پھر (خاوند کو مردہ سمجھ کر) چار ماہ دس دن عدتِ وفات گزارے (بیہقی جلد ۷، ص ۴۴۵)

جواب: بے شک سیدنا عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے یہ ارشاد فرمایا تھا پھر اس کے مطابق عمل ہوا اور عورت نے نکاح ثانی کر لیا لیکن مصیبت یہ پیش آئی کہ اس کا پہلا خاوند زندہ واپس آ گیا اور اس نے بیوی کی واپسی کا مطالبہ کیا سیدنا عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس سے گمشدگی کی وجہ پوچھی تو بولا کہ مجھے کافر جن گرفتار کر کے لے گئے تھے انہوں نے کئی سال اپنی قید میں رکھا پھر ان سے مسلمان جنوں نے جنگ کر کے مجھے چھڑایا اور یہاں پہنچایا۔ فَخَیَّرَہٗ عُمَرُ رضی اللہ تعالیٰ بَیْنَ الصَّدَاقِ وَبَیْنَ اِمْرَأَتِہٖ تو حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اسے معذور جان کر فرمایا کہ مہر کی رقم (جو تو نے بیوی کو دی تھی) اور بیوی ان دونوں میں سے ایک جو بھی تو پسند کرے لے جا! اس نے مہر کی رقم پسند کی تو آپ نے بیت المال سے ادا فرمائی (بیہقی جلد ۷، ص ۴۴۶) معلوم ہوا کہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ اپنے مذکورہ فیصلہ پر بعد میں غیر مطمئن ہو گئے تھے ورنہ مفقود کو اس کی بیوی واپس کرنے پر رضامند نہ ہوتے۔ بنابریں صاحب ہدایۃ علیہ الرحمت نے تحریر فرمایا کہ عُمَرُ رَضِیَ اللہُ عَنْہُ رَجَعَ اِلٰی قَوْلِ عَلِیٍّ رَضِیَ اللہُ عَنْہُ حضرت عمر نے اپنے پہلے فیصلہ سے رجوع کر کے حضرت علی سے موافقت کر لی تھی۔ ص ۴۲۳ بلکہ

سیدنا علی شیر خدا کرم اللہ تعالیٰ وجہہ الکریم نے واشگاف الفاظ میں اس فیصلہ کی مخالفت

ں۔ آپ فرماتے ہیں۔ لَيْسَ الَّذِي قَالَ عُمَرُ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ بِشَيْءٍ يَعْنِي فِي امْرَأَةِ الْمَفْقُودِ هِيَ امْرَأَةُ الْغَائِبِ حَتّٰى يَأْتِيَهَا يَقِيْنُ مَوْتِهِ أَوْ طَلَاقِهَا وَنِكَاحُهَا بَاطِلٌ۔ مفقود الخبر کی بیوی کے متعلق حضرت عمر کا فیصلہ درست نہیں۔ جب تک موت یا طلاق کی یقینی خبر نہ آئے تب تک وہ عورت بدستور مفقود کی بیوی ہے اس کا نکاح ثانی باطل ہے (بیہقی جلد ۷ صفحہ ۴۴۴) معلوم ہوا کہ یہ مسئلہ صحابہ کرام میں اختلافی تھا۔ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے دلائل قوی تھے اس لیے حنفی علماء نے آپ کے قول شریف کے مطابق فتویٰ دیا۔ چونکہ حنفی علماء سب سے بڑے محدث اور سب سے بڑے فقیہ ہیں اس لیے ان کی شان کے لائق یہی ہے کہ اختلافی مسائل میں صرف وہی مسئلہ اختیار فرمادیں جسے قرآن و حدیث کی نصوص نے قوت بخشی ہو۔

سوال: حکیم صادق نے فتاویٰ عالمگیری پر طنز کرتے ہوئے ایک مثال دی ہے کہ ایک لڑکی کی ۱۸ سال کی عمر میں شادی ہوئی دو سال کے بعد اس کا خاوند گم ہوگیا تو اس کے بارے میں فتاویٰ عالمگیری کا فتویٰ یہ ہے کہ وہ ۹۰ سال تک خاوند کا انتظار کرے پھر چار ماہ دس دن عدت گزارے پھر کسی مرد سے نکاح کر سکتی ہے اس وقت وہ ایک سو دس سال چار ماہ دس دن کی ہوجائے گی۔ (ملخصا)

الجواب: حکیم کا معنیٰ "دانا" اور صادق کا معنیٰ "سچا" ہے مگر موصوف دانائی اور سچائی دونوں سے محروم ہیں۔ اور بقول شاعر خرد کا نام جنون اور جنوں کا خرد۔ حکیم و صادق کہلاتے ہیں۔ کتب فتاویٰ میں آسان تر کتاب فتاویٰ عالمگیری ہے مگر حکیم بے چارے کی جہالت ملاحظہ ہو کہ اسے اس آسان کتاب کا یہ ایک مسئلہ بھی نہیں آتا۔ فتاویٰ عالمگیری میں ذکر کردہ ۹۰ برس کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ گمشدگی کے وقت سے ۹۰ برس شمار ہوں گے بلکہ مطلب یہ ہے کہ گمشدہ آدمی کی پیدائش کے وقت سے ۹۰ برس گنے جائیں گے۔ یعنی اگر گمشدگی کے وقت خاوند کی عمر ۸۶ برس تھی تو

اس کی بیوی ۴ برس انتظار کرے گی اور اگر ۸۸ برس تھی تو ۲ برس اور اگر ۸۹ برس تھی تو صرف ایک برس انتظار کرے گی۔ پھر عدت وفات ۴ ماہ ۱۰ دن گزار کر نکاح ثانی کرنے کی مجاز ہو گی۔

نادان حکیم نے نکاح ثانی کے وقت جو عورت کی عمر ایک سو دس سال چار ماہ دس دن بتائی ہے یہ عمر فتاویٰ عالمگیری کے مطابق متصور نہیں ہو سکتی ہے" مفقود الخبر کی بیوی کے متعلق سیدنا عمر اور سیدنا علی رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے ارشادات اور فیصلہ جات مذکور ہو چکے ہیں۔ اور قرآن و حدیث کی روشنی میں ثابت کیا جا چکا ہے کہ سیدنا علی کرم اللہ وجہہٗ الکریم کا فیصلہ زیادہ قوی اور موافق قواعد شرعیہ کے ہے اسی بنا پر حنفیہ نے اسی کو پسند کیا ہے مگر غیر مقلد وہابیوں کا ان میں سے کسی پر ایمان نہیں سب سے باغی ہیں نہ اِدھر کے ہیں نہ اُدھر کے۔ اسی وجہ سے حکیم صادق نے فتاویٰ عالمگیری پر جاہلانہ تنقید تو کی مگر اپنا مذہب نہ بتایا کہ کیا ہے۔ کیونکہ وہ جانتا ہے کہ اس مسئلہ میں غیر مقلد وہابیوں کا کوئی مذہب نہیں چنانچہ ان کے میر سیالکوٹی نے واشگاف الفاظ میں اس امر کا اعتراف کیا ہے۔ بحوالہ فتاویٰ ثنائیہ میر سیالکوٹی کے الفاظ ملاحظہ ہوں۔

۱: "اس امر (یعنی نکاح زوجۂ مفقود الخبر) کی تصریح نہ قرآن مجید میں ہے اور نہ زمانِ نبوی میں ایسا کوئی واقعہ ہوا اور آثارِ صحابہ اور مذاہب مجتہدین اس میں مختلف ہیں اور زمانۂ سلف میں اس امر میں کسی ایک قول پر اجماع بھی نہیں ہوا تو دلائل اربعہ میں سے صرف قیاس باقی رہ گیا۔ سو اس کی رو سے کسی خاص میعاد کا تقرر حکم شرعی نہیں ہو سکتا۔

۲: عورت کی حالت پر نظر کر کے لحوق ضرر کا لحاظ ضروری ہے جس کے لیے کوئی مدت مقرر نہیں کی جا سکتی (جلد ۲ صفحہ ۵)

۳: مفقود کی زوجہ کو معتدہ کی زوجہ پر قیاس [illegible]

کی نسبت بھی عورت کے مطالبہ کے وقت فسخ (نکاح) کا حکم دیا جا سکتا ہے اور انتظار کے لیے کوئی خاص میعاد ضروری نہیں (جلد ۲ ص۹۷)

۴: "ہماری (یعنی غیر مقلد وہابیہ کی) ناقص سمجھ میں یہی آتا ہے کہ حضرت عمر کا فیصلہ کوئی دائمی حکم نہیں۔ بلکہ حالاتِ زمانہ کے ماتحت اقتصادی تھا" (جلد ۲ ص۹۹)

ان عبارتوں سے معلوم ہوا کہ غیر مقلد وہابیوں کے میر سیالکوٹی کا فتویٰ نہ حضرت عمر کے قول پر ہے نہ حضرت علی کے قول پر۔ نہ مغیرہ بن شعبہ کی روایت کردہ حدیث مرفوع پر ہے نہ قرآن مجید کی آیت والمحصنات من النساء پر۔ پھر تعجب ہے کہ یہ لوگ خود کو "اہل حدیث یا کتاب وسنّت" کا پیروکار کس منہ سے کہتے ہیں ان کا علم وعمل تو اس بات کا تقاضا کرتا ہے کہ انہیں اہلِ اہواء اور اصحابِ خواہشات کے نام سے موسوم کیا جائے۔

سوال: میاں بیوی دونوں جوان ہیں اس حالت میں خاوند گم گیا تو جوان عورت کے لیے خاوند کی عمر ۹۰ برس ہونے تک انتظار کرنا بہت مشکل ہے۔ فقہ حنفی میں اس مشکل کا علاج کیا ہے؟

الجواب: فقہ حنفی وہابی مذہب کی طرح باطل آراء فاسد خیالات اور نفس پسند خواہشات کے مجموعہ کا نام نہیں بلکہ قرآن مجید حدیث شریف اجماعِ اُمت اور قیاس شرعی سے ثابت شدہ مسائل واحکام کے مجموعہ کا نام فقہ حنفی ہے۔ بنا بریں علماء احناف نے اس مصیبت زدہ عورت کے لیے عفت صبر اور روزوں کی کثرت کو تجویز کیا ہے کیونکہ قرآن وحدیث نے اور اقوالِ صحابہ نے اسی علاج کی طرف راہنمائی فرمائی ہے۔ ملاحظہ ہو۔ اللہ عزوجل نے فرمایا۔ وَلْيَسْتَعْفِفِ الَّذِينَ لَا يَجِدُونَ نِكَاحًا حَتّٰى يُغْنِيَهُمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ جو نکاح کی طرف کوئی راہ نہ پائیں وہ عفت سے کام لیں یہاں تک کہ اللہ انہیں اپنے فضل سے بے پرواہ کر دے (سورۃ النور ع۴)

مفقود الخبر کے طلاق دینے یا مرنے کی جب تک خبر نہیں آتی تب تک اس کی

بیوی نکاح ثانی کی طرف راہ نہیں پاتی تو اسے بمطابق اس آیت کے صبر و عفت سے کام لینا چاہیئے۔ یہی اس کا قرآنی علاج ہے۔

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا یَا مَعْشَرَ الشَّبَابِ مَنِ اسْتَطَاعَ مِنْكُمُ الْبَاءَةَ فَلْيَتَزَوَّجْ فَإِنَّهُ أَغَضُّ لِلْبَصَرِ وَأَحْصَنُ لِلْفَرْجِ وَمَنْ لَمْ يَسْتَطِعْ فَعَلَيْهِ بِالصَّوْمِ فَإِنَّهُ لَهُ وِجَاءٌ اے گروہ جواناں تم میں جسے نکاح کی طاقت ہو وہ نکاح کرے کہ نکاح پریشان نظری و بدکاری سے روکنے کا سب سے بہتر طریقہ ہے اور جسے نکاح ناممکن ہو اس پر روزے لازم ہیں کہ کسرِ شہوت نفسانی کر دیں گے (مشکواۃ ص ۲۶۷)

مفقود الخبر کی بیوی کے لیے جب نکاح ثانی ناممکن ہو گیا تو وہ بمطابق اس حدیث کے روزوں کی کثرت کرے یہی اس کا موافقِ سنت علاج ہے۔

سیدنا علی شیرِ خدا کرم اللہ تعالیٰ وجہہ الکریم فرماتے ہیں فَلْتَصْبِرْ مفقود الخبر کی بیوی صبر کرے (بیہقی جلد، ص ۴۴۶)

جو علاج کتاب و سنت سے ثابت ہو اس سے ہٹ کر دہابیہ کا دوسرے علاجوں کی تلاش میں سرگرداں و حیران پھرنا تعجب خیز و حیرت انگیز ہے۔ غیر مقلد وہابی سوچیں اور سوچ کر بتائیں کہ جو عورت ابتداء بلوغ سے معاذ اللہ جذام ابرص میں مبتلا ہو اور اس کے ساتھ ایسی کریہ المنظر بھی ہو کہ اسے کوئی شخص بحالت عدم جذام و برص بھی قبول نہ کرتا تو ایسی عورت کا صبر و عفت اور روزوں کی کثرت کے علاوہ کیا علاج تجویز کیا جا سکتا ہے؟ پھر جب مسئلہ مذکورہ میں حضرت شیرِ خدا نے زوجہ مفقود کو "فَلْتَصْبِرْ" کہہ کر پابند صبر کر دیا ہے تو اب چون و چرا کی کیا گنجائش رہی؟ کیا کوئی وہابی حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے کسی ایک بال شریف کی بھی برابری کر سکتا ہے؟ نہیں ہرگز نہیں۔

ایں خیال ست و محال ست و جنوں

توپھر کتاب وسُنّت کی روشنی میں ان کے بتلائے ہوئے علاج سے گریز کرکے اِدھ اُدھ منہ مارنے کا کیا فائدہ؟

اعتراض ۲۸: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے رسُول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم کا ارشادِ گرامی ہے کہ "تم امام سے جلدی نہ کرو جب وہ تکبیر کہے توتم تکبیر کہو اور جب وہ ولا الضالین کہے توتم آمین کہو اور جب رکوع کرے توتم رکوع کرو (صحیحین ومشکوٰۃ جلد ا ص۱۰۱) اس صحیح حدیث سے معلوم ہوا کہ امام سے پہلے امام کی اقتداء میں نماز شروع کرنا جائز نہیں مگر فتاویٰ عالمگیری اسے جائز کہتا ہے۔ ملاحظہ فرمائیں۔

"اگر اس (مقتدی) نے امام کی نماز میں شروع کرنے کی نیت کی اور امام نے ابھی تک نماز شروع نہیں کی اور وہ اس بات کو جانتا ہے توجب امام نماز شروع کرے گا تب اس مقتدی کی وہی نماز شروع ہو جاوے گی (جلد ا ص۱۲۲)

الجواب: نام نہاد عبداللہ عفیف نے نہ حدیث کو سمجھا ہے نہ فتاویٰ کو۔ اور اپنی کج فہمی وبدسمجھی کا رونا رونے کی بجائے فتاویٰ عالمگیری پر اعتراض کر دیا کہ اس کا فلاں مسئلہ فلاں حدیث کے خلاف ہے (العیاذ باللہ) حدیث مذکور نے توحکم دیا ہے کہ امام کی تکبیر سے پہلے تکبیر نہ کہو اس کے ولا الضالین کہنے سے پہلے آمین نہ کہو اور اس کے رکوع سے پہلے رکوع نہ کرو۔ حدیث کا کوئی لفظ ایسا نہیں جس کا یہ مطلب ہو کہ امام کے نماز شروع کرنے سے پہلے اس کی اقتداء کی نیت نہ کرو۔ اور فتاویٰ عالمگیری میں اس جگہ مسئلہ "نیت" کی بحث فرمائی گئی ہے ارکانِ نماز شروع کرنے کی نہیں چنانچہ "الفصل الرابع فی النیّۃ" کا عنوان قائم کرکے فتاویٰ میں لکھا ہے۔ لَوْ نَوَی الشُّرُوْعَ فِی صَلٰوۃِ الْاِمَامِ وَالْاِمَامُ لَمْ یَشْرَعْ بَعْدُ وَھُوَ

نَعْلَمُ بِذٰلِكَ يَصِيْرُ شَارِعًا فِي صَلوٰةِ الْإِمَامِ إِذَا شَرَعَ ...... وَلَوْنَوٰى الشُّرُوْعَ فِي صَلوٰةِ الْإِمَامِ عَلٰى ظَنِّ اَنَّ الْإِمَامَ قَدْ شَرَعَ وَهُوَ لَمْ يَشْرَعْ لَمْ يُجْزِ (ج ا ص ۱۲۶) اس جیسی عبارت قاضی خاں اور کبیری شرح منیہ میں بھی موجود ہے اس کا واضح تر اور نفیس تر مطلب " بہارِ شریعت " میں بدیں الفاظ ذکر فرمایا گیا ہے۔

مسئلہ: مقتدی نے یہ نیت کی کہ وہ نماز شروع کرتا ہوں جو امام کی نماز ہے اگر امام نماز شروع کر چکا ہے جب تو ظاہر کہ اس کی نیت سے نماز صحیح ہے اور اگر امام نے اب تک نماز شروع نہ کی تو دو صورتیں ہیں۔

(۱) اگر مقتدی کے علم میں ہو کہ امام نے ابھی نماز شروع نہ کی تو بعد شروع وہی نیت کافی ہے۔

(۲) اور اگر اس کے گمان میں ہے کہ شروع کر لی ہے اور واقع میں شروع نہ کی ہو تو وہ نیت کافی نہیں (جلد ۳ ص ۴۴) پہلی صورت میں " وہی نیت کافی ہے " کی وجہ قاضی خاں نے اس طرح بیان فرمائی کہ لِاَنَّهُ مَا قَصَدَ الشُّرُوْعَ فِي صَلوٰةِ الْإِمَامِ لِلْحَالِ اِنَّمَا قَصَدَ الشُّرُوْعَ فِي صَلوٰةِ الْإِمَامِ إِذَا شَرَعَ مقتدی نے فی الحال نماز شروع کرنے کی نیت نہیں کی بلکہ نیت یہ کی ہے کہ جب امام نماز شروع کرے تو اس کے بعد میں بھی شروع کر دوں گا۔ لہٰذا اس کی وہی نیت کافی ہے (جلد ا ص ۱۲۶ بر ہامش الفتاوی العالمگیریہ) اور دوسری صورت میں " وہ نیت کافی نہیں " کی وجہ [illegible] میں اس طرح مرقوم ہے کہ لِاَنَّهُ قَصَدَ الشُّرُوْعَ فِي الْحَالِ فِي صَلوٰةٍ مَنْ لَيْسَ بِمُصَلٍّ مقتدی نے غلط فہمی کی بنا پر یہ نیت کی ہے کہ میں امام کی نماز ابھی شروع کرتا ہوں۔ حالانکہ امام نے تو ابھی نماز شروع نہیں کی اس لیے " وہ نیت کافی نہیں " (ص ۲۹۳)

مخبرِ صادق صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اپنی بعض پیشین گوئیوں میں چونکہ وہابیوں کو

"سفہاء الاحلام" کہا ہے یعنی بے عقل لوگ (نسائی جلد ۲ ص۱۳۱) اس لیے ان کی عقلیں ناکارہ ہیں اور سوچ سے یکسر محروم ہیں بات کو الٹا سمجھنا ان کی فطرت میں داخل ہے۔ اگر فتاویٰ عالمگیری کا مطلب غلط نہ سمجھیں تو انہیں وہابی کون کہے ؎

اُلٹی عقل کسی کو بھی ایسی خدا نہ دے
دے نجدیوں کو موت پر یہ بدادا نہ دے

اعتراض ۲۹: "کُتّے کی خرید فروخت جائز ہے (فتاویٰ عالمگیری جلد ۳ ص۱۱۴ سطر ۲۱) حالانکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے منع کیا ہے کُتّے کی خرید فروخت سے (مشکوٰۃ)

الجواب: وہابیہ (خذلہم اللہ) صرف نام کے مسلمان نام کے اہل حدیث اور نام کے مولوی ہیں نہ انہیں قرآن مجید کا علم ہے نہ احادیث شریفہ کا۔ اگر ان جاہلوں کو کُتّے کے متعلق وارد ہونے والی آیت اور حدیثیں معلوم ہوتیں۔ تو فتاویٰ عالمگیری پر اعتراض نہ کرتے بلکہ وہابیت کے پُر فریب جال سے نکل کر اپنے مسلمان آباؤ اجداد کی طرح حنفیت کو بدل وجان قبول کر لیتے۔ لیجئے پہلے قرآن مجید کی آیت پھر چند حدیثیں ملاحظہ ہوں۔

آیت: فَكُلُوا مِمَّا أَمْسَكْنَ عَلَيْكُمْ وَاذْكُرُوا اسْمَ اللّٰهِ عَلَيْهِ تو کھاؤ اس شکار میں سے جو وہ (شکاری کُتّے وغیرہ) مار کر تمہارے لیے رہنے دیں۔ اور اس پر اللہ کا نام لو (المائدہ ع۱)

حدیث ۱: ابن المغفل رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ رسولِ اکرم سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے کُتّوں کو قتل کرنے کا حکم دیا تھا۔ ثُمَّ رَخَّصَ فِي كَلْبِ الصَّيْدِ وَكَلْبِ الْغَنَمِ پھر شکاری کتے کی اور بکریوں کے محافظ کی رخصت دے دی (مسلم ج۲ ص۲۱)

حدیث ۲: آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے عدی بن حاتم رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے فرمایا کہ إِذَا أَرْسَلْتَ الْكَلْبَ الْمُعَلَّمَ وَذَكَرْتَ اسْمَ اللّٰهِ عَلَيْهِ فَأَخَذَ فَكُلْ۔ جب

تو اللہ تعالیٰ کا نام لے کر سدھایا ہوا کُتا شکار پر چھوڑے اور کُتا اُسے پکڑلے تو ایسے شکار کا کھانا تیرے لیے جائز ہے (نسائی جلد۲ صہ۱۹۲)

حدیث ۳: ابومسعود انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے نَھٰی عَنْ ثَمَنِ الْکَلْبِ کُتّے کی قیمت سے منع فرمایا (مشکوٰۃ صہ۲۴۱)

حدیث ۴: حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اِلَّا کَلْبَ صَیْدٍ شکاری کتے کی قیمت سے منع نہیں فرمایا (نسائی صہ۱۹۵ بیہقی ج۶)

حدیث ۵: ابنِ عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے مروی ہے کہ رَخَّصَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ فِیْ ثَمَنِ کلب الصَّیْدِ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے شکاری کُتّے کی قیمت لینے کی اجازت دی (مسند امام اعظم صہ۱۶۹)

معلوم ہوا کہ ابتداء اسلام میں کُتّوں کو قتل کرنے کا حکم دیا گیا تھا۔ پھر مفید اور غیر مضر کُتوں کے حق میں یہ حکم منسوخ فرمادیا گیا بلکہ جو کُتا شکار کرسکتا ہے اس کے شکار کو بھی قرآن وحدیث نے حلال قرار دیا۔ علماء احناف کی نظر چونکہ قرآن مجید پر اور سب حدیثوں پر ہے اور مختلف حدیثوں میں تطبیق دینے کی بفضلہٖ تعالیٰ بہت بڑی صلاحیت رکھتے ہیں۔ اس لیے انہوں نے فرمایا کہ جو کتّے ضرر دیتے ہیں اور فائدہ نہیں دے سکتے ان کی خرید وفروخت بمطابق حدیث ۳ منع ہے اور جو ضرر نہیں دیتے فائدہ دیتے ہیں ان کے ساتھ خرگوش ہرن وغیرہ حلال جانوروں کا شکار کیا جاسکتا ہے ان کی خرید وفروخت بمطابق حدیث ۴۔۵ منع نہیں جائز ہے۔ جو کچھ ان حدیثوں سے ثابت ہوا ہے وہی کچھ فتاویٰ عالمگیری میں ذکر فرمایا گیا ہے۔ وہابیہ نے دھوکا دینے کے لیے نقل عبارت فتاویٰ میں مجرمانہ خیانت کی ہے۔ اصل عبارت ملاحظہ ہو۔

بَیْعُ الْکَلْبِ الْمُعَلَّمِ جَائِزٌ...... وَبَیْعُ الْکَلْبِ الْغَیْرِ الْمُعَلَّمِ یَجُوْزُ اِذَا کَانَ قَابِلًا لِلتَّعْلِیْمِ وَاِلَّا فَلَا وَھُوَ الصَّحِیْحُ۔ جو کتا شکار کے لیے سدھایا گیا ہو

یا سدھایا جا سکتا ہو صرف اس کی بیع جائز ہے اور جو ایسا نہیں اس کی خرید فروخت منع ہے یہی صحیح ہے (جلد ۳ ص۱۴۱)

سوال: حدیث ۴ کو نسائی شریف میں "لَیْسَ ھُوَ بِصَحِیْحٍ" کہا گیا ہے۔

الجواب: لیکن محدث نسائی علیہ الرحمۃ نے "الرخصۃ فی ثَمَنِ الکَلْبِ" کا عنوان قائم کر کے اس حدیث سے شکاری کُتّے کی قیمت کا جواز بھی ثابت کیا ہے۔ معلوم ہوا کہ محدث مذکور کے نزدیک یہ حدیث "لَیْسَ ھُوَ بِصَحِیْحٍ" کہلانے کے باوجود درجۂ استدلال و احتجاج سے ساقط نہیں کیونکہ ماہرین اصولِ حدیث جانتے ہیں کہ عدم صحت سند مضمون حدیث کی عدم صحت کو مستلزم نہیں ہوتا۔ چنانچہ ترمذی ص۳۳ ج۱ و مشکوٰۃ ص۵۰ میں ایک ایسی حدیث کو "لَا یَصِحُّ مِنْ قِبَلِ اِسْنَادِہٖ" کہا گیا ہے جس کا مضمون سورۃ النساء ع ۴ آیت ۱ کے موافق ہونے کی وجہ سے بالکل صحیح ہے۔ نیز حدیث ۵ نے "الاحادیث بعضہا تقوی بعضا" کے ضابطہ کے تحت اس حدیث کو مستحکم کر دیا ہے۔ بلکہ قرآن و حدیث کی جن مقدس نصوص نے کُتّے کے شکار کو حلال قرار دیا ہے انہی کے ضمن میں اس کی خریداری کا جواز بھی ثابت ہو جاتا ہے۔ اور حدیث نسائی کو مزید تقویت مل جاتی ہے کیونکہ اسلام مجموعہ اضداد کا نام نہیں کہ کُتّے کا شکار تو حلال ہو اور اس کی خریداری حرام اور قیمت ممنوع ہو۔

بنابریں ایک دفعہ ایک شخص نے کسی کے شکاری کُتّے کو قتل کر دیا تو حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص نے قَضٰی فِیْ کَلْبِ صَیْدٍ قَتَلَہٗ رَجُلٌ بِاَرْبَعِیْنَ دِرْھَمًا۔ فیصلہ فرمایا کہ کُتّے کا قاتل اس کے مالک کو چالیس درہم ادا کرے (بیہقی ص۸ جلد ۶ طحاوی جلد ۲ ص۲۲۸) اگر شکاری کُتّے کی کوئی قدر و قیمت نہ ہوتی تو مندرجہ فیصلہ ہرگز نہ فرمایا جاتا۔

اعتراض نمبر ۳: گھوڑوں میں زکوٰۃ ہے۔ ہر گھوڑے کی ایک دینار دے یا قیمت

ڈال کر دے۔ (عند ابی حنیفہ ہدایۃ جلد ۱ صفحہ، و عالمگیری ص۱۷۸) حالانکہ آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) نے فرمایا۔ قَدْ عَفَوْتُ عَنِ الْخَیْلِ وَالرَّقِیْقِ میں نے گھوڑوں اور غلاموں کی زکوٰۃ معاف کر دی (ابو داؤد)

الجواب: نام نہاد اہلِ حدیثوں کا یہ اعتراض بھی ان کے جاہل بالحدیث ہونے کی دلیل ہے کیونکہ متعدد حدیثوں سے ثابت ہے کہ بعض صورتوں میں گھوڑوں کی زکوٰۃ لی جاتی ہے۔ ملاحظہ ہو۔

حدیث ۱: جانوروں کی زکوٰۃ نہ دینے والوں کی بعض سزاؤں کا ذکر کرتے ہوتے حضور اقدس سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا لا اعرفن احدکم یاتی یوم القیامۃ یحمل فرسا لہ حمحمۃ ینادی یا محمد یا محمد میں تم میں سے کسی کو اس بری حالت کے ساتھ نہ پہچانوں کہ وہ بروزِ قیامت ہنہناتے گھوڑے کو اٹھا کر لائے اور یا رسول اللہ! یا رسول اللہ کہہ کر مجھ سے فریاد کرے (الترغیب والترہیب جلد ۱ ص۱۲۲ الجوہر النقی علی البیہقی جلد ۴ ص۱۲۰) اگر گھوڑوں کی زکوٰۃ کسی صورت واجب نہ ہوتی تو بروز محشر گھوڑا اٹھانے کی سزا کیوں ملتی؟

حدیث ۲: سیدنا ابو عبیدہ ابن الجراح نے سیدنا عمر ابن الخطاب (رضی اللہ تعالیٰ عنہما) کی طرف لکھا کہ اہل شام گھوڑوں کی زکوٰۃ دینا چاہتے ہیں۔ اس کی بابت آپ کا کیا حکم ہے؟ آپ نے جواب تحریر فرمایا کہ خذھا منھم وارددھا علیہم گھوڑوں کی زکوٰۃ ان کے مالکوں سے لے کر وہیں کے غریبوں کو دے دو (موطا امام مالک مع شرح تنویر الحوالک جلد ۱ ص۲۶۲ و شرح الآثار مسوی مصفیٰ جلد [illegible])

حدیث ۳: ثم لم ینس حق اللہ فی ظہورھا ولا رقابھا فھی لہ ستر گھوڑے کی پیٹھ میں اور گردن میں جو اللہ تعالیٰ کا حق مقرر ہے اگر مالک اسے ادا کرتا رہے تو وہ گھوڑا اپنے مالک کے لیے پردہ پوش ہوتا ہے (مشکوٰۃ ص۱۵۵) گھوڑے کی گردن

میں اللہ تعالیٰ کا مقرر حق زکوٰۃ ہی ہے (فتح القدیر شرح ھدایہ جلد ۲ ص۱۲۹ جدید)

حدیث ۴: محدث زہری علیہ الرحمۃ سے مروی ہے انہیں سائب بن یزید نے خبر دی کہ رَاَیْتُ اَبِیْ یُقَوِّمُ الْخَیْلَ ثُمَّ یَدْفَعُ صَدَقَتَھَا اِلٰی عُمَرَ۔ میرے باپ گھوڑوں کی قیمت لگا کر ان کی زکوٰۃ حضرت عمر (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) کی خدمت میں حاضر کیا کرتے (الجوہر النقی جلد ۴ ص۱۲)

حدیث ۵: سیدنا سمرۃ بن جندب سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کَانَ یَاْمُرُنَا اَنْ نُخْرِجَ الصَّدَقَۃَ مِنَ الَّذِیْ نُعِدُّ لِلْبَیْعِ ہمیں حکم دیا کرتے کہ ہم تمام اموالِ تجارت کی زکوٰۃ نکالیں (مشکوٰۃ ص۱۶۰) معلوم ہوا جو شخص گھوڑوں کی تجارت کرتا ہے اس پر ان کی زکوٰۃ لازم ہے۔

سوال: حدیث میں ہے لَیْسَ عَلَی الْمُسْلِمِ صَدَقَۃٌ فِیْ عَبْدِہٖ وَلَا فِیْ فَرَسِہٖ مسلمان پر اس کے خدمت گار غلام کی اور گھوڑے کی زکوٰۃ نہیں (مشکوٰۃ ص۱۵۵) دوسری حدیث میں ہے۔ قَدْ عَفَوْتُ عَنِ الْخَیْلِ وَالرَّقِیْقِ گھوڑے کی اور خدمت گار غلام کی زکوٰۃ میں نے معاف کر دی ہے (مشکوٰۃ ص۱۵۹) ان دو حدیثوں کی مندرجہ بالا حدیثوں کے ساتھ مطابقت کی کیا صورت ہے؟

جواب: یہ دو حدیثیں خاص صورت کی طرف اشارہ کرتی ہیں۔ یعنی وہ گھوڑا جس پر سوار ہو کر کفار سے جہاد کیا جائے اور بغرض تجارت نہ خریدا جائے اس کی زکوٰۃ معاف فرما دی گئی ہے جس طرح خدمت گار غلام کی زکوٰۃ نہیں یونہی اس گھوڑے کی بھی زکوٰۃ نہیں۔ تجارت کے گھوڑے چونکہ اموالِ تجارت میں داخل ہیں اس لیے ان کی زکوٰۃ مندرجہ بالا حدیثوں کی روشنی میں لازم ہے۔

معلوم ہوا کہ گھوڑوں کی زکوٰۃ نہ علی الاطلاق معاف ہے نہ علی الاطلاق لازم۔ بعض صورتوں میں معاف ہے اور بعض صورتوں میں لازم۔ فتاویٰ عالمگیری میں یہی

مسئلہ اسی تفصیل کے ساتھ بیان کیا گیا ہے ملاحظہ ہو (ترجمہ) "صاحبین کے نزدیک گھوڑوں کی زکوٰۃ نہیں۔ فتویٰ دینے کے لیے یہی قول مختار ہے ہاں اگر تجارت کے گھوڑے ہوں تو پھر دوسرے مال تجارت کی طرح ان کی بھی قیمت لگائی جائے گی اگر نصاب کو پہنچ جائے تو زکوٰۃ لازم ہو گی" (جلد ۱ صہ ۱۶۸)

اعتراض ۳۱: عالمگیری میں ہے۔ اگر کسی عضو پر نجاست لگ جائے تو اس کو تین مرتبہ زبان سے چاٹ لیا جائے تو پاک ہو جائے گا۔ (ترجمہ صہ ۸۳ عربی صہ ۴۵ جلد ۱)

الجواب: وہابیہ نے اپنی ناقص الفہمی کی بنا پر "فتاویٰ عالمگیری" کی عالمی حیثیت نہیں سمجھی۔ یہ فتاویٰ بفضلہ تعالیٰ عالمی فتاویٰ ہے۔ اس میں وہ تمام مسائل حل کرنے کی کوشش کی گئی ہے جو عالم اسلام میں عموماً یا خصوصاً پیش آتے رہتے ہیں یا آ سکتے ہیں۔ تاکہ مملکت اسلامیہ کے قاضی صاحبان ان سے استفادہ کر کے نادر سے نادر واقعات و مقدمات کا حل دریافت کر سکیں۔

دنیائے عالم میں جہاں عاقل بالغ آباد ہیں وہاں پاگل اور بچے بھی رہتے ہیں ان کی وجہ سے بھی کئی مسئلے جنم لیتے رہتے ہیں۔ مندرجہ مسئلہ بھی اسی سلسلہ کی ایک کڑی ہے۔ ہاتھ کی کسی انگلی پر اگر پیشاب یا شراب یا خون لگ جائے تو انگلی کو اس نجاست سے صاف کرنے کے لیے پانی ہی استعمال کیا جاتا ہے مگر بچوں اور پاگلوں سے یہ امید نہیں رکھی جا سکتی کہ وہ اس نجاست کو پانی سے ہی صاف کریں گے۔ بلکہ یہاں ممکن ہے کہ بجائے انگلی دھونے کے اسے چاٹ لیں (العیاذ باللہ) اور چاٹنے کے بعد وہی انگلی کسی شخص کے پانی میں ڈبو دیں اور وہ شخص اسلامی عدالت میں اس نوعیت کا مقدمہ دائر کر دے کہ میں نے پچاس روپیہ کا (مثلاً) پانی خرید کر مٹکے میں ڈالا تھا۔ فلاں پاگل نے نجاست سے لبریز انگلی کو پہلے اچھی طرح چاٹا پھر اپنی انگلی میرے پانی میں ڈبو دی جس سے پانی پلید

اور بے کار ہو گیا۔ لہذا مجھے پاگل کے مال سے پانی کی قیمت دلائی جائے تو جس قاضی نے فتاویٰ عالمگیری کا مندرجہ مسئلہ پڑھا ہوگا وہ یہ کہہ کر مقدمہ خارج کر دے گا کہ جب مدعی خود تسلیم کرتا ہے کہ پاگل نے پہلے انگلی سے نجاست کو چاٹ کر زائل کر دیا تھا پھر پانی میں ڈبویا تھا تو پاگل کی انگلی کے سبب پانی پلید نہ ہوا کیونکہ جب انگلی پر سے نجاست زائل کر دی گئی تو نہ انگلی پلید رہی نہ پانی پلید ہوا۔ عبارتِ فتاویٰ کا یہ مطلب نہیں کہ معاذ اللہ نجاست کو چاٹنا جائز ہے۔ یہ نجس فہمی صرف مخالفین کی دماغی نجاست کا نتیجہ ہے ؎

خدا محفوظ رکھے ہر بلا سے
خصوصاً نجس فہمی کی وبا سے

فتاویٰ عالمگیری میں تو یہاں تک نفاست پسندی ذکر کی گئی ہے کہ جو حلال جانور نجاست کھاتا ہو اسے نہ کھائیں بلکہ کئی دن تک باندھ رکھیں کہ نجاست نہ کھانے پائے پھر جب اس کا گوشت نجاست کے اثر سے پاک ہو جائے تو ذبح کر کے کھائیں۔ اونٹ چالیس دن تک باندھا جائے، گائے بیس دن تک بکری دس دن تک مرغی تین دن تک اور چڑیا ایک دن (صـ۲۹۱ ج ۵)

سوال: کیا اس مسئلہ کی کوئی نظیر کتب حدیث میں موجود ہے؟

الجواب: بے شک اس کی نظیر حدیث کی کتابوں میں پائی جاتی ہے۔ دیکھئے! بلی جو اکثر چوہے وغیرہ نجس اور پلید چیزیں کھاتی رہتی ہے جس وجہ سے اس کا منہ لب اور آس پاس کے بال پلید ہو جاتے ہیں اگر وہ پانی پیئے تو چاہیے کہ پانی پلید ہو جائے اور اس کا جوٹھا ناپاک سمجھا جائے کیونکہ پانی پیتے وقت پانی میں اس کا منہ لب اور بال سب ڈوب جاتے ہیں مگر حدیث شریف میں ہے کہ (اِنَّھَا لَیْسَتْ بِنَجَسَۃٍ) بلی نجس نہیں کہ اس کا جوٹھا ناپاک سمجھا جائے (ترمذی صـ۱۴ جلد ۱) کیونکہ بلی کی عادت یہ ہے کہ کسی چیز

کے کھانے کے بعد اپنا منہ وغیرہ چاٹ کر صاف کرلیتی ہے اگر چاٹنے سے نجاست حقیقیہ زائل نہ ہو جاتی تو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم اس کے جوٹھے پانی کو یقیناً نجس اور پلید قرار دیتے ۔ فانہ صلی اللہ علیہ وسلم اطیب الطیبین واطہر الطاہرین

سوال: حدیث بالا میں بلی کے جوٹھے کے نجس نہ ہونے کی علت بدیں الفاظ بیان کی گئی ہے کہ (اِنَّمَا هِيَ مِنَ الطَّوَّافِيْنَ عَلَيْكُمْ اَوِ الطَّوَّافَات) بلی گھروں میں آنے جانے والے نوکروں یا نوکرانیوں کی مانند ہے ۔ چاٹنے کی علت قرار نہیں دیا گیا ۔

الجواب: جوٹھے کے ناپاک ہونے کے دو سبب ہوا کرتے ہیں ایک یہ کہ پینے والے کا لعاب ناپاک ہو اور اسے شریعت مطہرہ نے ازالۂ طہارت میں مؤثر قرار دیا ہو ۔ دوسرا یہ کہ اس کے منہ پر خارجی نجاست لگی ہوئی ہو بلی کا جوٹھا ان دونوں سببوں سے پاک ہے پہلے سے اس لیے کہ وہ گھروں میں بکثرت آتی جاتی ہے اگر لعاب کی وجہ سے اس کا جوٹھا ناپاک سمجھا جائے تو اہلِ خانہ حرج میں مبتلا ہو جائیں گے اور دوسرے سے اس لیے کہ وہ اپنے منہ وغیرہ پر نجاست کو رہنے نہیں دیتی فوراً چاٹ کر صاف کر دیتی ہے ۔ حدیث میں پہلے سبب کی نفی کا ذکر صراحتہً ہے اور دوسرے کی نفی کا اشارۃً [illegible] ۔ چونکہ حدیث دانی میں سب پر فائق ہیں اور کتاب و سنت پر عمل کرنے میں سب سے [illegible] ہیں اس لیے وہ نصوص شرعیہ کی تصریحات کی طرح اشارات کو بھی کارآمد قرار دیتے ہیں اور سب پر حسب مراتب عمل کرتے ہیں ۔

چیلنج: اگر کوئی مخالف ذکر کردہ مٹکے کے پانی کو پلید کہنے پر مصر ہو تو [illegible] کہ اپنے سب سے بڑے مولوی سے اس مٹکے کے پلید ہونے کا فتویٰ بحوالہ کتاب و سنّت لکھوا کر مہر لگوا کر شائع کرے اور انعام پائے ۔

نہ خنجر اٹھے گا نہ تلوار ان سے
یہ بازو مرے آزمائے ہوئے ہیں

اعتراض[۳۲]: جب کتا ذبح کیا جائے تو اس کا گوشت فروخت کرنا جائز ہے (فتاویٰ عالمگیری ص۱۱۵ ج ۳)

اعتراض[۳۳]: تمام حرام شرابوں کا سوائے خمر کے فروخت کرنا جائز ہے (فتاویٰ عالمگیری ج۳ ص۱۱۶)

اعتراض[۳۴]: گانے بجانے کے آلات مثلاً بربط۔ طبل مزمار وغیرہ کی بیع جائز ہے۔ (فتاویٰ عالمگیری ص۱۱۶ جلد ۳)

الجواب: جب عقل تقسیم کی گئی تو اس میں کچھ حصہ اگر معترضین کو بھی مل جاتا تو فتاویٰ عالمگیری پر اعتراض کرنے سے پہلے درج ذیل تین باتیں ضرور سوچتے۔

(۱) فتاویٰ عالمگیری نے ان مسئلوں میں صرف فروخت کرنے کو کیوں جائز لکھا ہے خریدنے کو کیوں نہیں لکھا؟

(۲) اشربہ محرمہ کی بیع سے خمر کو کیوں مستثنیٰ فرمایا؟

(۳) کتے کے گوشت میں ذبح کی قید کیوں لگائی؟

لیکن یہ قسمت کے مارے جب بارشاد مخبر صادق صلی اللہ علیہ وسلم وادیٔ سفاہت و ضلالت میں بھٹک رہے ہیں تو اس کی ان باریک اور دقیق باتوں کی طرف رسائی کس طرح ہو سکتی ہے۔ اصل بات یہ ہے کہ ممالک اسلامیہ میں اہل اسلام ہی نہیں یہود و نصاریٰ اور ان جیسے دیگر کفار بھی شرائط مخصوصہ کی پابندی قبول کر کے رہ سکتے ہیں ان کے ہاں کتوں کا گوشت کھانا شراب پینا گانا بجانا سب جائز ہے مسلمان سربراہ ان کی اس خوراک و شراب پر اور مشاغل سرود و غنا پر پابندی نہیں لگا سکتا۔ البتہ انہیں اسلام کی دعوت جبر و اکراہ کے بغیر دے سکتا ہے تو اگر کوئی غیر مسلم اسلام کی حقانیت معلوم کر کے برضا و رغبت اسلام قبول کرے اور اس کے قبضہ میں مسلمان ہونے سے پہلے کی حرام شرابیں حرام گوشت اور آلاتِ سرود و غنا موجود ہوں تو وہ مسلمان ہونے کے بعد ان چیزوں کو کیا کرے؟ انہیں یونہی پھینک دے؟ یا کسی غیر مسلم کو بلا معاوضہ دے دے؟ یا معاوضہ لے کر دے؟ اگر

معاوضہ لے کر غیر مسلم کے حوالے کرے تو کیا ان حرام چیزوں کے معاوضے کی رقم مسلمان کے لیے کھانی جائز ہے؟ یا ناجائز؟ ان تمام مسئلوں کا جواب دیتے ہوئے فتاویٰ عالمگیری نے ارشاد فرمایا کہ خمر اور غیر مذبوح کتے کا گوشت یہ دو چیزیں چونکہ حرام بھی قطعی ہیں اور پلید بھی قطعی۔ اس لیے ان کا بیچنا حرام ہے اور ان سے حاصل شدہ رقم کا استعمال کرنا ممنوع (انہیں پھینک دیا جائے) اور ان کے علاوہ دیگر مذکورۃ الصدر اشیاء کا غیر مسلم کے ہاتھ فروخت کرنا جائز ہے اور معاوضہ کی رقم کا برتنا درست۔ کیونکہ یہ شرابیں حرام اور نجس تو ہیں لیکن اخبار آحاد سے ثابت ہونے کی وجہ سے خمر کی طرح قطعی نہیں اور کلب مذبوح حرام قطعی تو ہے مگر غیر مذبوح کی طرح نجس قطعی نہیں تو جو چیز حرام بھی قطعی ہو اور نجس بھی قطعی اس کا غیر مسلم کے ہاتھ پر فروخت کرنا بھی منع ہے۔ بنا بریں فتاویٰ میں صرف بیچنے کا ذکر کیا گیا ہے خریدنے کا نہیں کیونکہ مسلمان کو یہ تو حکم دیا گیا ہے کہ ان چیزوں کو اپنی ملک سے نکال دے اسے یہ اجازت نہیں دی گئی کہ انہیں خرید کر اپنی ملک میں لائے۔ وہابیو! بتاؤ تمہیں اس میں کون سی چیز کتاب و سنت کے خلاف نظر آئی کہ مرتبینِ "فتاویٰ عالمگیری" کی کوششوں کو سراہنے کی بجائے ان کی بے قدری کر رہے ہو اور موجودہ دور کے مسلمانوں کو یہ بتا رہے ہو کہ متحدہ ہندوستان پر گیارہ سو سال تک جن (سُنّی حنفی) مسلمانوں نے حکومت کی اور جو علماء و مشائخ (قدست اسرارہم) یہاں پیدا ہوئے یا تشریف لائے وہ سب کے سب دین اسلام سے دُور تھے اور ناواقف۔ معاذ اللہ۔ سچا دین اور سچا مذہب تو صرف ہم وہابیوں کو چودھویں صدی میں برٹش گورنمنٹ (علیہ ما علیہ) کی نظرِ عنایت کی بدولت نصیب ہوا ہے —

شرم نبی خوفِ خدا یہ بھی نہیں وہ بھی نہیں

ہماری مخلصانہ گذارش یہ ہے کہ وہابیت کی ناپاک بدعت کو چھوڑ کر سنیت و حنفیت کا سیدھا راستہ اب بھی اختیار کر لو تاکہ دارین کی سعادت پاؤ اور جہنم کی بھڑکتی آگ سے

نچ سکو سد　　　　بازآو بازآ از آنچہ ہستی باز آ

سوال: جب شراب حرام ہوئی تھی تو صحابہ کرام نے سب شرابیں گرادی تھیں۔

جواب: مسلمان ہونے کے بعد اب بھی شرابوں کو گرادینا بہتر ہے لیکن کوئی غریب اگر غیر خمر کو غیر مسلم کے ہاتھ فروخت کرکے کچھ پیسے حاصل کرلے تو شرعًا یہ بھی جائز ہے اگرچہ بہتر نہیں اسی لیے فتاویٰ عالمگیری نے اس بیع کو صرف جائز کہا ہے بہتر نہیں کہا کیونکہ بہتر وہی کام ہے جو صحابہ کرام نے کیا (رضی اللہ تعالیٰ عنہم وارضاہم عنّا) عمومًا دیکھا جاتا ہے کہ اسلام قبول کرنے کے بعد نومسلم اپنے رشتہ داروں سے کٹ جانے کی وجہ سے بہت سی مالی مشکلات میں پھنس جاتا ہے فتاویٰ عالمگیری کے مرتبین نے اس کی پریشانی کم کرنے کے لیے اس کو پیسہ حاصل کرنے کے کچھ جائز طریقے بتادیئے تاکہ ان پر عمل کرکے غیر مسلم کی کچھ رقم گھٹائے اور اپنی کچھ مالی پریشانی مٹائے۔ رحمہم اللہ تعالیٰ وجزاہم عنا خیر الجزآ۔

اعتراض ۳۵: اگر کسی کو نکسیر پھوٹے اور خون نہ تھمے تو اگر وہ خون کے ساتھ اپنی پیشانی پر کچھ قرآن لکھالے تو بقول ابوبکر اسکاف یہ جائز ہے اور بعض کا قول ہے کہ اگر پیشاب سے قرآن لکھ لے تو پھر بھی مضائقہ نہیں اگر اس سے اس کو شفا ہو (نعوذ باللہ) (فتاویٰ عالمگیری صفحہ ۳۵۶ جلد ۵۔ قاضی خاں صفحہ ۴۰۴ جلد ۳)

الجواب: (۱) جب قرآن مجید پر عمل کرنے کا حکم ملتا ہے تو اس کے معنے یہ ہوتے ہیں کہ آیات محکمات پر عمل کرو اور متشابہات پر صرف ایمان لاؤ (مشکوٰۃ صفحہ ۳) حالانکہ متشابہات بھی قرآنی آیات ہیں۔ اور جب حدیث پر عمل کرنے کا ارشاد فرمایا جاتا ہے تو اس کا مطلب بھی یہی ہوتا ہے کہ احادیث رجیحہ غیر منسوخہ پر عمل کرو (بخاری صفحہ ۹۶-۶۱۲) حالانکہ احادیث منسوخہ مرجوحہ بھی کتب حدیث میں موجود ہوتی ہیں اور صحیح سندوں کے ساتھ ذکر کی جاتی ہیں۔ یونہی جب اہل سنت احناف علمار و مقتدر فضلار حکومت پاکستان سے یہ مطالبہ کرتے ہیں کہ فرنگی دور کا ناپاک قانون تعزیرات ہند منسوخ کرو اور اس کی

جگہ فقہ حنفی کو نافذ کر دو تو اس کا مطلب بھی صرف یہی ہوتا ہے کہ فقہ حنفی کے وہ تمام مسائل نافذ کر دو جن پر فتویٰ ہے غیر مفتیٰ بہ قول کے نفاذ کا مطالبہ ہرگز ہرگز نہیں ہوتا۔ وہابیہ نے اعتراض ۲۵ میں جو دو قول ذکر کئے ہیں ان میں سے کوئی قول بھی ہمارے ہاں مفتیٰ بہ نہیں اور ان میں سے کسی کے نفاذ کا مطالبہ نہیں۔ ہم تو پیشاب کو بھی اور خون کو بھی نجس و پلید سمجھتے ہیں تو ان کے ساتھ پاک کلام کے لکھنے کا فتویٰ کس طرح دے سکتے ہیں۔ البتہ اس قسم کے فتویٰ کی توقع تو وہابیہ سے کی جا سکتی ہے۔ کیونکہ ان کے مذہب میں خون بھی پاک ہے اور پیشاب بھی بلکہ ام الخبائث شراب بھی، (ملاحظہ ہو" لغات الحدیث" مصنفہ وحید الزمان نام نہاد اہل حدیث ص۹ ن ص۴۹ و ص۲۲ س)

الجواب۲: مندرجہ بالا دو قولوں میں سے صرف پہلا فتاویٰ عالمگیری میں ذکر کیا گیا ہے دوسرا نہیں۔ اور دونوں اکٹھے فتاویٰ عالمگیری کی بجائے صرف قاضی خاں میں مذکور ہیں اور قاضی خاں نے ان دونوں کا قائل صرف ابوبکر اسکاف کو قرار دیا ہے۔ وہابیہ نے جہاں دونوں کو فتاویٰ عالمگیری کی طرف منسوب کرکے دھوکا دیا ہے وہاں دونوں کا قائل الگ الگ بتا کر جہالت بھی کی ہے۔ قاضی خاں پر مولیٰ کریم جل مجدہٗ ہزاروں رحمتیں نازل کرے کہ انہوں نے دونوں کے آخر میں" لَوْ كَانَ فِيْهِ شِفَاءٌ لَا بَأْسَ بِهٖ" لکھ کر وہابی اعتراض کا پوری طرح قلع قمع کر دیا ہے۔ کیونکہ لفظ" لو" کے متعلق امام راغب فرماتے ہیں لِامْتِنَاعِ الشَّيْئِ لِامْتِنَاعِ غَيْرِهٖ یعنی لو اپنی شرط و جزا کے دونوں جملوں کے امتناع پر دلالت کرتا ہے۔ (مفردات ص۴۶۳) تو اس صورت میں عبارت قاضی خاں کے معنے یہ ہوئے کہ" اس کتابت کے سبب اگر شفا ممکن ہوتی تو کتابت کو جائز قرار دیا جاتا مگر شفا تو ممکن نہیں ممتنع ہے لہٰذا کتابت بھی جائز نہیں ممنوع ہے۔ معلوم ہوا کہ کتابت بالبول کے جواز پر ابوبکر اسکاف کا بھی فتویٰ نہیں وہ بھی اسے ناجائز سمجھتے ہیں۔ مگر وہابیہ کی نادانی انہیں صحیح مفہوم کے سمجھنے سے روک رہی ہے

آنکس کہ نداند و بداند کہ بداند
در جہل مرکب تا ابد بماند

اعتراض ۳۶: فتاویٰ عالمگیری جلد ۲ صفحہ ۲۵۲ سطر ۲۴ اور ردالمحتار جلد ۳ صفحہ ۲۷۸ وغیرہ میں ایک عجیب قیاس بھی لکھا ہے کہ "اگر ذمی ایک دینار جزیہ سے ادا نہ کرے تو اس کا عہد ٹوٹ گیا اور خون اور مال اس کا حلال ہو گیا اگر بیت اللہ شریف کو جلائے اور مسجدِ نبوی کو ویران کر دے اور اللہ تعالیٰ اور رسول صلی اللہ علیہ وسلّم کو نعوذ باللہ گالیاں دے تو پناہ اور عہد اس کا باقی ہے اور خون او مال اس کا محفوظ و معصوم۔"

الجواب: سلطنت اسلامیہ کی طرف سے ذمی کافر پر جو مقرر کیا جاتا ہے اسے "جزیہ" کہتے ہیں (بہار شریعت جلد ۹ ص ۱۰۶) اور ذمی اس کافر کا نام ہے جسے بعوض جزیہ سلطنت اسلامیہ میں پناہ دی گئی ہوتا کہ وہ مہلت پاکر اسلام کے محاسن اور دلائل کی قوت دیکھے اور مشرف باسلام ہونے کا موقع پائے (خزائن العرفان ص ۲۲۸ حاشیہ ۸ وغیرہ) قرآن مجید میں ہے۔ حَتّٰى يُعْطُوا الْجِزْيَةَ عَنْ يَدٍ وَّهُمْ صَاغِرُوْنَ (کتابی کافروں سے جہاد کرو) یہاں تک کہ وہ اپنے ہاتھ سے ذلیل ہو کر جزیہ دیں (التوبۃ ۲۹)

حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلّم نے ارشاد فرمایا۔ سُنُّوْا بِهِمْ سُنَّةَ اَهْلِ الْكِتَابِ غیر کتابی کافروں کے ساتھ وہی سلوک کرو جو کتابی کافروں کے ساتھ کرتے ہو یعنی مجوس وغیرہ کفار کو بھی جزیہ قبول کرنے کی صورت میں ذمی بنا لیا کرو (موطا امام مالک مع شرحہ تنویر الحوالک جلد ۱ ص ۲۶۴) اس حکم سے کفار قریش اور مشرکین عرب مستثنیٰ ہیں ان سے جزیہ قبول نہیں کیا جاتا بلکہ یہاں اسلامی قانون یہ ہے کہ مشرف باسلام ہو جائیں ورنہ قتل کر دیئے جائیں گے۔ قرآن مجید میں ہے۔ قَاتِلُوْهُمْ حَتّٰى لَا تَكُوْنَ

فِتْنَةٌ ان کافروں سے جہاد کرو یہاں تک کہ فتنۂ کفر و شرک مٹ جائے (البقرہ ع۲۴)
ان دو آیتوں کا جو مطلب اور محل بیان کیا گیا ہے اسے ابن المنذر نے ابن شہاب سے نقل فرمایا ہے (تفسیر درمنثور ج ۳ ص۲۲۸) مزید تشریح کے لیے احادیث مبارکہ ملاحظہ ہوں۔

حدیث ۱: حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم جب کافروں کی طرف لشکر روانہ فرماتے تو امیر لشکر کو تین باتوں کا حکم دیتے۔

- "اُدْعُهُمْ اِلَى الْاِسْلَامِ" کافروں کو اسلام کی دعوت دے۔
- اگر نہ مانیں تو "سَلْهُمُ الْجِزْيَةَ" ان سے جزیہ کا مطالبہ کر۔ اگر جزیہ دینا قبول کرلیں تو "كُفَّ عَنْهُمْ" ان کے قتل و قتال سے پرہیز کر۔
- اگر جزیہ قبول نہ کریں "فَاسْتَعِنْ بِاللّٰهِ وَقَاتِلْهُمْ" تو اللہ سے مدد مانگ اور اور ان سے جنگ کر (مسلم ص۸۲ ج ۲)

حدیث ۲: حضرت خالد بن ولید "دومہ" کے کتابی بادشاہ اُکَیدَر کو پکڑ کر حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں لائے "فحقن دمہٗ وصالحہٗ علی الجزیۃ" تو آپ نے اس کا خون معاف فرما دیا اور اس شرط پر صلح کی کہ وہ جزیہ دیا کرے گا (مشکوٰۃ ص۳۵۲)

حدیث ۳: اَخْرِجُوا الْمُشْرِكِيْنَ مِنْ جَزِيْرَةِ الْعَرَبِ کفار و مشرکین کو جزیرہ عرب سے نکال دو (مشکوٰۃ ص۳۵۵)

حدیث ۴: لَا اَدَعُ فِيْهَا اِلَّا مُسْلِمًا جزیرہ عرب میں مسلمانوں کے سوا کسی کو نہ رہنے دوں گا (مشکوٰۃ ص۳۵۵)

حدیث ۵: لَيْسَ عَلَى الْمُسْلِمِ جِزْيَةٌ مسلمانوں پر جزیہ مقرر نہیں کیا جاتا (مشکوٰۃ ص۳۵۳)

ان آیات کریمہ و احادیث شریفہ سے درج ذیل مسائل معلوم ہوتے۔

مسئلہ ۱: جزیرۂ عرب میں خصوصاً حرمین طیبین میں کافروں کو بطور ذمی آباد نہیں کیا جاسکتا انہیں مسلمان ہونا پڑے گا ورنہ قتل کر دیئے جائیں گے یا نکال دیئے

جائیں گے. تو بیت اللہ شریف کو جلانے اور مسجد نبوی شریف کو ویران کرنے کا گناہ ذمیوں سے کس طرح سرزد ہو سکتا ہے جب وہ ان مقاماتِ مقدسہ میں آباد ہی نہیں کیے جا سکتے تو ان جرموں کا ارتکاب کس طرح کریں گے۔ بنا بریں فتاویٰ عالمگیری اور ردالمحتار میں ذمیوں کے جرموں میں ان دو کا ذکر نہیں کیا گیا۔ وہابیہ نے ان کتابوں پر افترا باندھا ہے اور جھوٹ بولا ہے۔ اور اپنے دل کی سیاہی کو مزید گہرا کرنے کے لیے جھوٹے صفحے اور جھوٹی سطریں لکھ دی ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان مفتریوں کے جھوٹے مذہب سے مسلمانوں کو بچائے۔

ابوالکلام آزاد کے والد ماجد نے کیا خوب فرمایا ؎

وہابی بے حیا جھوٹے ہیں یارو
تڑ تڑ جوتیاں تم ان کو مارو (آزاد کی کہانی ص۳۶)

مسئلہ ۲۲: ان کے علاوہ دیگر کفار و مشرکین اگر جزیہ دینا قبول کرلیں تو ان کے ساتھ جنگ کرنے سے گریز کیا جائے گا اور ان کے مال و جان کی حفاظت کی جائے گی ورنہ جنگ ضروری ہے اور ان کے مال و جان غیر محفوظ۔ یہی مسئلہ فتاویٰ عالمگیری میں بدیں الفاظ ذکر کیا گیا ہے۔ من امتنع من اداء الجزیۃ ...... لَمْ یُنْقَضْ عَهْدُهٗ وَلَوْ اِمْتَنَعَ عَنْ قَبُوْلِهَا یُنْقَضُ عَهْدُهٗ یعنی جس ذمی کافر نے ابتداءً جزیہ دینا قبول کرلیا پھر کسی وجہ سے وقت پر ادا نہ کیا تو ادا نہ کرنے سے اس کا عہد نہ ٹوٹا ہاں اگر جزیہ قبول کرنے سے رک گیا تو عہد نہ رہا (جلد ۲ ص۲۵۲) وہابیہ کا ہماری طرف یہ عبارت منسوب کرنا۔ "اگر ذمی ایک دینار جزیہ سے ادا نہ کرے تو اس کا عہد لوٹ گیا" ہم پر بہتان و افتراء ہے۔ فتاویٰ عالمگیری میں اور ردالمختار میں اس عبارت کا ذکر ہرگز نہیں۔ وہابیو! اگر مذہب وہابیت و غیر مقلدیت کی نشوونما جھوٹ پر موقوف ہے تو مرتے دم تک اس مذہب نامہذب پر قائم رہنے کی کیا ضرورت ہے فوراً توبہ کرو اور سنیت و حنفیت کو بدل و جان قبول کرلو ورنہ ان عذابی لشدید۔

ے خدارا باز آجاؤ وہابیت کی بدعت سے
پکڑلو دامنِ سُنت بزرگوں کی عنایت سے

مسئلہ ۳۵: صرف کافروں کو ذمی بنایا جاتا ہے مسلمانوں کو نہیں یونہی جزیہ صرف کافروں پر مقرر کیا جاتا ہے۔ مسلمانوں پر نہیں تو اگر کسی کافر نے ذمی بننے کے بعد اللہ و رسول (جل جلالہٗ وصلی اللہ علیہ وسلم) کی شانِ اقدس میں گستاخی بکی تو اس نے کفر ہی کیا وہ پہلے بھی کافر تھا اب بھی کافر ہے۔ جب قرآن وحدیث نے مسلمانوں کو اجازت دی ہے کہ وہ کافروں پر جزیہ لازم کرکے ان سے معاہدہ کرلیا کریں تو پھر اس معاہدے کے ٹوٹنے کا سبب کفر ہی کو کس طرح قرار دیا جاسکتا ہے؟ کیا وہابی اتنی بات بھی نہیں سمجھ سکتے؟ کیا وہ سچ مچ "کَالْاَنْعَامِ بَلْ ھُمْ اَضَلّ" ہوچکے ہیں؟ اصل بات یہ ہے کہ کفار حربی ہوں یا ذمی سب کے سب شانِ الوہیت وشانِ رسالت میں سخت بے ادب اور سخت گستاخ ہوا کرتے ہیں لیکن اہل ذمہ چونکہ ہم مسلمانوں کی پناہ میں آجاتے ہیں اس لئے ان پر لازم کیا جاتا ہے کہ علی الاعلان گستاخی کا ارتکاب نہ کریں ورنہ سزا پائیں گے اس پر بھی اگر باز نہ آئے تو قتل کر دیئے جائیں گے فقہ حنفی کی بعض عبارات ملاحظہ ہوں۔
یُؤَدَّبُ الذِّمِّیُّ وَیُعَاقَبُ علیٰ سَبِّہٖ دِیْنَ الْاِسْلَامِ اَوِ الْقُرْآنَ اَوِ النَّبِیَّ صلی اللہ علیہ وسلم ذمی کافر کو ادب سکھایا جائے گا اگر اس نے دین اسلام کو یا قرآن مجید کو یا نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو بُرا کہا اور گالی بکی تو اسے سزا دی جائے گی (تنویر الابصار مع شرحہ الدر المختار جلد ۱ صفحہ ۴۲۶) علامہ ابنِ عابدین علیہ الرحمۃ نے اس عبارت پر حاشیہ لکھا ہے کہ اَطْلَقَہٗ فَشَمِلَ تَأْدِیْبَہٗ وَعِقَابَہٗ بِالْقَتْلِ اِذَا اعْتَادَہٗ وَاَعْلَنَ بِہٖ۔
صاحب تنویر نے لفظ "عقاب" مطلق ذکر کیا ہے جو "عقاب بالقتل" کو بھی شامل ہے لہٰذا اگر ذمی کافر بدکلامی کا عادی ہوگیا اور اس نے علی الاعلان گالی بک دی تو اسے قتل کر دیا جائے گا (ردالمحتار ج ۳ صفحہ ۲۷۹) خلاصۃ المرام آنکہ ذمی کافر ہوتا ہے کافر گستاخ ہوتا ہے

تو محض گستاخی سے عقد ذمہ نہیں ٹوٹتا البتہ اہل ذمہ کو قانوناً گستاخی سے روکیں گے نہ رکے تو ماریں گے اس پر بھی نہ رکے تو قتل کر دیئے جائیں گے۔ وہابیہ چونکہ خود شانِ الوہیت شانِ رسالت شانِ ولایت میں گستاخیاں کرتے رہتے ہیں اس لیے انہیں فقہاء اُمت کی عبارات کے سمجھنے کی صلاحیت سے محروم کر دیا گیا ہے۔ لَهُمْ قُلُوْبٌ لَا يَفْقَهُوْنَ بِهَا۔ حدیث میں ہے کچھ یہودیوں نے حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی شانِ اقدس میں گستاخی کی کہ انہوں نے بجائے سلام کے آپ کے لیے لفظ "سام" استعمال کیا جس کے معنی موت کے ہیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں سزا تو نہ دی بلکہ ان کے الفاظ ان پر لوٹا دیئے (مشکوٰۃ ص۳۹۸) لیکن آپ نے یہودیوں کے سردار کعب ابن الاشرف کو جو علی الاعلان بار بار گستاخی کرتا تھا قتل کروا دیا (بخاری ص۵۷۶) معلوم ہوا کہ ایک دفعہ کی گستاخی میں اور بار بار کی گستاخیوں میں فرق ہے۔ دونوں جرموں کی سزائیں الگ الگ ہیں۔

مسئلہ۴۔ فقہاء احناف نے مسئلہ جزیہ کے متعلق جو کچھ تحریر فرمایا ہے وہ براہ راست مذکورۃ الصدر حدیثوں سے ثابت ہے اسے "عجیب قیاس" سے تعبیر کرنا وہابیہ کی عجیب حماقت و جہالت ہے ان بے چاروں کو نہ قیاس کا پتہ ہے کہ وہ کیا چیز ہے نہ حدیثوں کی خبر ہے کہ وہ بمتعلق اہل ذمہ کیا حکم دیتی ہیں۔ حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسوں ہی کی بابت پیشگوئی فرمائی کہ "جاہل ہوں گے فتوے دیں گے خود بہکیں گے دوسروں کو بہکائیں گے" العیاذ باللہ (مشکوٰۃ ص۳۳)

اعتراض۲۷: فتاویٰ عالمگیری میں لکھا ہے کہ "اگر کسی نے نماز میں قہقہہ مارا تو وضو اس کا جاتا رہا اور اگر گانے لگے یا جھوٹی گواہی دے تو وضو اس کا برقرار ہے۔"

الجواب: نماز میں قہقہہ مارنا بھی گناہ ہے گانے گانا بھی اور جھوٹی گواہی دینا بھی۔ پہلا چھوٹا گناہ ہے دوسرا بڑا اور تیسرا بہت بڑا۔ قیاس یہی چاہتا ہے کہ جب بڑے گناہ سے

وضو نہیں ٹوٹتا تو چھوٹے سے بھی نہ ٹوٹے۔ مگر فتاویٰ عالمگیری عربی ص۱۲ جلد۱ میں لکھا ہے کہ "رکوع وسجود والی نماز میں اگر عاقل بالغ نے قہقہہ مارا تو اس کی نماز بھی ٹوٹ جائے گی اور وضو بھی"۔ یہ مسئلہ چونکہ قیاس کے خلاف ہے اس لیے وہابیہ نے اسے بھی اپنے ناپاک اعتراضوں کا نشانہ بنایا مگر انہیں یہ خبر نہیں کہ احناف کرام نے اس مسئلہ کو قیاس سے ثابت نہیں کیا۔ بلکہ حدیث شریف سے اخذ فرمایا ہے۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے۔

مَنْ ضَحِكَ فِي الصَّلٰوةِ قَهْقَهَةً فَلْيُعِدِ الْوُضُوْءَ وَالصَّلٰوةَ. جس شخص نے نماز میں قہقہہ مارا تو وہ دوبارہ وضو کرے اور دوبارہ نماز پڑھے (رواہ ابن عدی فی الکامل عمدۃ القاری ص۴۸ ج۳ فتح القدیر مع الہدایۃ وشرحہ ص۴۶ ج۱ الجوہر النقی مع السنن البیہقی ص۱۴۴ ج۱)

علامہ عینی علیہ الرحمۃ نے عمدۃ القاری میں اس مضمون کی گیارہ حدیثیں چار مرسل سات مسند ذکر کرکے فرمایا ہے کہ فَبِكَثْرَتِهَا وَاخْتِلَافِ طُرُقِهَا وَمُتُوْنِهَا وَرُوَاتِهَا تَتَعَاضَدُ وَتَتَقَوّٰى عَلٰى مَا لَا يَخْفٰى یہ حدیثیں اپنی کثرت کی وجہ سے نیز سندوں متنوں اور راویوں کے مختلف ومتعدد ہونے کے سبب ایسی مضبوط اور قوی ہو چکی ہیں کہ اس میں کچھ خفا نہیں رہی۔

سوال: جابر بن عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما فرماتے ہیں۔ اِذَا ضَحِكَ فِي الصَّلٰوةِ اَعَادَ الصَّلٰوةَ وَلَمْ يُعِدِ الْوُضُوْءَ۔ جب کوئی نماز میں ہنس پڑے تو وہ صرف نماز کا اعادہ کرلے وضو کا نہیں (بخاری جلد۱ ص۲۹)

جواب: یہ حدیث مذکورۃ الصدر حدیثوں کے معارض نہیں کیونکہ ان حدیثوں میں قہقہہ کا ذکر ہے اور اس حدیث میں ضحک کا۔ ضحک فی الصلوٰۃ سے صرف نماز ٹوٹتی ہے وضو نہیں ٹوٹتا۔ قہقہہ سے نماز بھی ٹوٹ جاتی ہے اور وضو بھی۔ حنفی علماء چونکہ تمام غیر منسوخ حدیثوں پر عمل کرتے ہیں اس لیے انہوں نے مسئلہ مذکورہ کی تفصیل

کرتے ہوئے فرمایا کہ ہنسنے کی تین قسمیں ہیں (۱) "تبسّم" اس میں صرف دانت ظاہر ہوتے ہیں آواز نہیں نکلتی (۲) "ضحک" اس میں خفیف آواز نکلتی ہے جسے وہ خود سُن سکتا ہے آس پاس والے نہیں سُن سکتے (۳) "قہقہہ" اس میں اتنی آواز نکلتی ہے کہ آس پاس والے بھی سُن لیتے ہیں۔ پہلی قسم سے نہ وضو ٹوٹتا ہے نہ نماز دوسری قسم سے نماز ٹوٹتی ہے وضو نہیں ٹوٹتا اور تیسری قسم سے نماز بھی ٹوٹتی ہے اور وضو بھی (عالمگیری ج ۱ ص ۱۲ ہدایہ ج ۱ ص ۲۷)

شیطانی قیاس : مسائل کے اثبات کے چار اصول ہیں (۱) قرآن مجید (۲) حدیث شریف (۳) اجماع امت (۴) قیاس شرعی۔ وہابیہ کے پاس مسئلہ مذکورہ کی بابت احناف کے مقابلہ میں نہ کوئی آیت ہے نہ حدیث نہ اجماع امت ہے نہ قیاس شرعی۔ اور جس قیاس کا انہوں نے سہارا لیا ہے وہ شرعی نہیں۔ کیونکہ شرعی قیاس وہ ہوتا ہے جس سے نصوص شرعیہ میں سے کسی غیر منسوخ نص کی مخالفت لازم نہ آتی ہو۔ اور قیاس مذکور تو حدیث مذکور کے صریح مخالف ہے لہٰذا غیر شرعی ہے اور غیر معتبر۔ مولائے کائنات سیدنا علی شیرِ خدا رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ۔

"قیاس کا تقاضا یہ ہے کہ موزوں کے نیچے مسح کیا جائے کیونکہ ان کا صرف نچلا حِصّہ زمین پر لگتا ہے۔ مگر حضورِ اقدس صلّی اللہ تعالیٰ علیہ وسلّم نے ہمیشہ اوپر مسح کیا تھا اس لیے یہاں قیاس اور رائے کی بجائے حدیث وسُنّت پر عمل کیا جائے گا (مشکوٰۃ ص ۵۴)

نص کے مقابلہ میں قیاس کرنے کی بدبختی سب سے پہلے شیطان کو حاصل ہوئی تھی۔ بولا (الٰہی) میں آدم سے بہتر ہوں مجھے تو نے آگ سے پیدا کیا ہے اور آدم کو مٹی سے (الاعراف ع ۲) اسی بنا پر ملعون ابدی قرار پایا۔ پھر اس کی روحانی اولاد نے ہمیشہ اس کے شیطانی قیاس کا سہارا لیا اور نصوص شرعیہ کا انکار کر کے ان کے ماننے والوں پر بذریعہ قیاس غیر شرعی طعن وتشنیع کیا۔ چنانچہ کفارِ مکہ نے اہلِ اسلام پر اعتراض کرتے ہوئے کہا تھا۔ تَأْكُلُوْنَ مَاذَبَحْتُمْ وَلَا تَأْكُلُوْنَ مَاذَبَحَ اللّٰهُ مِنَ الْمَيْتَةِ۔ مسلمانو! تم اپنا ذبح

کیا ہوا جانور تو کھا لیتے ہو پر اللہ کا ذبح کیا ہوا مردار جانور نہیں کھاتے (تفسیر قرطبی ج۲ ص۹۲)
بنا بریں ہمیشہ کے لیے جہنمی ہوتے اور شیطان کے ساتھی بنے (العیاذ باللہ) جس طرح شیطان
نے اور اس کی اولاد نے اللہ تعالیٰ کے حکم کے مقابل قیاس کیا تھا یونہی منکرین فقہ نے
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث (مَنْ ضَحِكَ فِی الصَّلٰوۃِ قَہْقَہَۃً) کے مقابل
قیاس کیا ہے وہابیہ کی اس سے بڑی بدبختی کیا ہوگی۔ کہ اپنے سنی حنفی آباؤ اجداد کے صحیح
طریقے کو چھوڑ کر اس طریقے پر گامزن ہو گئے ہیں جسے شیطان نے اپنے لیے اور اپنی اولاد
کے لیے پسند کیا ہے۔ اللہ تعالیٰ حضرت سیدنا امام اعظم ابو حنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے
مزار پر انوار کے ہر ذرے پر کروڑوں رحمتیں نازل فرمائے جنہوں نے ہمیں اصولِ اربعہ کے
درمیان نفیس ترتیب بتائی کہ قیاس کا درجہ سب سے مؤخر ہے اور نص کے مقابل قیاس
کرنا ممنوع ہے اور جب کوئی مسئلہ کسی غیر منسوخ حدیث شریف سے ثابت ہو جائے
تو اسے قیاس کے ذریعہ رد کرنا حرام ہے۔ وہابیو! اب بھی وہابیت سے توبہ کر لو سنیت و
حنفیت کو بدل و جان قبول کر لو نجات پاؤ گے۔ ورنہ

ہے جہنم دشمنانِ اولیاء کے واسطے

(اَللّٰھُمَّ وَفِّقْ تَوْبَۃً نَّصُوحًا)

نوٹ: قہقہہ کا مسئلہ فتاویٰ عالمگیری کے جس صفحہ پر مذکور ہے وہابیہ نے اس کا نمبر
نہیں لکھا کیونکہ اس صفحہ پر دوسرے ان دو مسئلوں کا ذکر تک نہیں کیا گیا جنہیں وہابیہ
نے مقیس علیہما قرار دے کر احناف پر اعتراض کیا ہے۔ اس طرح وہ اپنی چوری چھپانا
چاہتے تھے مگر ہم نے جلد ۱ صفحہ ۱۲ لکھ کر چوروں کی چوری ظاہر کر دی جس کا جی چاہے صفحہ
مذکورہ نکال کر دیکھ لے۔ اسے نہ گانے کا مسئلہ نظر آئے گا نہ جھوٹی گواہی کا۔

اعتراض ۲۸: فتاویٰ عالمگیری جیسی خود ساختہ فقہ کے متعلق یہ بھی لکھا ہے کہ تمام
قرآن کے سیکھنے سے فقہ کا سیکھنا اچھا ہے (نعوذ باللہ)

جواب ۱ : اصل عربی عبارت یہ ہے۔ رَجُلٌ تَعَلَّمَ بَعْضَ الْقُرْاٰنِ ثُمَّ وَجَدَ فَرَاغًا فَاِنَّهٗ یَتَعَلَّمُ تَمَامَ الْقُرْاٰنِ وَتَعَلُّمُ الْفِقْهِ اَوْلٰی مِنْ تَعَلُّمِ تَمَامِ الْقُرْاٰنِ یعنی اگر کسی نے ابھی تک پورا قرآن مجید نہیں سیکھا صرف کچھ آیتیں سیکھی ہیں جن سے نماز ادا کر سکتا ہے پھر اسے پورا قرآن مجید سیکھنے کی فراغت مل گئی تو اسے پورا قرآن مجید سیکھ لینا چاہیئے مگر چونکہ پورا قرآن مجید سیکھنا آسان نہیں خصوصًا اہل عجم کو اس پر کئی سال صرف کرنے پڑتے ہیں اور مسلمانوں جیسی زندگی گزارنے کے لیے تو فقہی مسائل کی ہر وقت ضرورت رہتی ہے بنا بریں اس کے لیے بہتر یہ ہے کہ فقہ کے ضروری مسائل کی تعلیم ابھی سے شروع کر دے اسے پورا قرآن مجید سیکھنے تک مؤخر نہ کرے ورنہ سالہا سال تک مسلمانوں جیسی زندگی گزارنے سے محروم رہے گا (عالمگیری ج ۵ ص ۲۷۹)

عربی عبارت کا جو مفہوم عرض کیا گیا ہے اسے کسی فقیہ نے اپنے دل سے نہیں گھڑا بلکہ متعدد حدیثوں سے اخذ فرمایا ہے۔

۱ : حضورِ اقدس صلّی اللہ علیہ وسلّم نے ایک نومسلم کو نماز سے متعلق فقہ کے ضروری مسائل بتاتے ہوئے ارشاد فرمایا۔ اِنْ كَانَ مَعَكَ قُرْاٰنٌ فَاقْرَأْ وَاِلَّا فَاحْمَدِ اللّٰهَ وَكَبِّرْهُ وَهَلِّلْهُ ثُمَّ ارْكَعْ اگر تجھے قرآن مجید کی کچھ آیتیں یاد ہیں تو انہیں رکوع سے پہلے پڑھ۔ ورنہ اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ ۔ اَللّٰہُ اَکْبَرُ ۔ لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ پڑھ کر رکوع کر (مشکوٰۃ ص ۷۶) اگر پورا قرآن مجید سیکھنا فقہی مسائل جاننے سے اولیٰ ہوتا تو آقائے دوعالم صلّی اللہ علیہ وسلم اس شخص کو فقہی مسائل نہ بتاتے بلکہ حکم دیتے کہ پہلے پورا قرآن مجید سیکھ پھر مسائل فقہ بتائیں گے۔

۲ : ایک شخص کی دس بیویاں تھیں جب اس نے اسلام قبول کیا تو نبی اکرم صلّی اللہ علیہ وسلّم نے ان میں سے چھ کے چھوڑنے کا حکم دیا اور چار کے رکھنے کی اجازت بخشی آپ نے اسے یہ نہیں فرمایا کہ پہلے پورا قرآن مجید سیکھ پھر تجھے فقہ کا یہ مسئلہ بتائیں گے کہ تیرے لیے کتنی

بیویاں جائز ہیں اور کتنی حرام (مشکوٰۃ ص۲۷۴)

۳-۴-۵: ایک عورت نے غسلِ احتلام کے متعلق دوسری نے غسلِ حیض کے متعلق تیسری نے غسل جنابت کے متعلق مسائل پوچھے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی کو یہ حکم نہیں دیا کہ پہلے پورا قرآن مجید سیکھ پھر فقہ کے مسائل پوچھ بلکہ آپ نے ہر ایک کو ضروری مسائل سے آگاہ فرمایا (مشکوٰۃ ص۴۸) بلکہ جس عورت نے بحالت حیض یا بحالت نفاس اسلام قبول کر لیا وہ جب تک پاک نہیں ہوتی تب تک قرآن مجید کی ایک آیت بھی نہیں پڑھ سکتی لیکن حیض و نفاس طہر و غسل سے متعلق مسائل فقہ ضرور اور فی الفور سیکھے گی۔

۶: حضرت عمیر نے صفوان بن امیہ سے اسلام لانے سے پہلے غزوہ بدر کے بعد کہا "میں مقروض ہوں اور عیالدار۔ ورنہ محمد (مصطفےٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) کو مدینے جاکر مار دیتا۔" صفوان نے کہا اگر تو یہ کام کرے تو تیرا قرضہ میں ادا کروں گا اور تیرے بچے میرے بچوں کے ساتھ پلیں گے۔ اس کے بعد عمیر بارادۂ فاسد مدینہ منورہ حاضر ہوئے۔ حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے آنے کی وجہ پوچھی۔ عمیر نے جھوٹ بولا کہ اپنا قیدی چھڑانے آیا ہوں۔ اللہ کی عطا سے غیب جاننے والے پیغمبر اعظم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "تو تو مجھے شہید کرنے کی غرض سے آیا ہے آپ نے صفوان کے ساتھ ہونے والی پوری گفتگو بیان فرما دی۔

؎ عمیر پاک پر سنتے ہی رعشہ ہوگیا طاری
کہ پیغمبر تو رکھتا ہے دلوں کی بھی خبرداری

عمیر نے فی الفور اسلام قبول کر لیا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرام کو حکم دیا فَقِّهُوا اَخَاكُمْ دِيْنَهُ فَاَقْرِءُوْهُ الْقُرْاٰن۔ اپنے بھائی عمیر کو دین کے فقہی مسئلے بتاؤ پھر اُسے قرآن مجید پڑھاؤ (نسیم الریاض ص۱۸۴-۱۸۵ ج ۳)

اس حدیث میں تعلیم فقہ کو تعلیم قرآن سے پہلے ذکر فرمایا گیا ہے۔ معلوم ہوا کہ فتاویٰ عالمگیری کا یہ مسئلہ بھی دیگر مسائل کی طرح بالکل درست ہے اور احادیثِ مبارکہ کے مطابق۔ لیکن وہابیہ اپنی جہالت وضلالت کے باعث سخن شناسی سے محروم ہیں (العیاذ باالله) ہمارا مشورہ ہے کہ جس طرح انگریزوں کے ناپاک دور سے پہلے ان کے آباؤ اجداد سُنی حنفی تھے یونہی یہ بھی سُنی حنفی ہو کر ہمارے بھائی بن جائیں۔ ضد وعناد کو ترک کردیں کیونکہ ؎

مذہب نہیں سکھاتا حق سے عناد رکھنا
سُنی بنو! تو ہوگا ہم تم میں دوستانہ

جواب ۲: فتاویٰ عالمگیری کے مفتی بہا مسائل تمام کے تمام یا قرآن وحدیث سے ثابت ہیں یا اجماع امت وقیاس شرعی سے تو اس مقدس فتاویٰ کو خود ساختہ فقہ سے تعبیر کرنا منکرین کی جہالت وسفاہت ہے۔

فتاویٰ عالمگیری کی علمی وشرعی حیثیت معلوم کرنے کے لیے وہابی حضرات کو ایک طریقہ بتایا جاتا ہے کہ اپنے چھوٹے بڑے تمام مولویوں کو لاہور کے شاہی قلعہ میں بند کردو اور قرآن مجید وکتب حدیث غیر مترجم وغیر محشی ان کے حوالے کردو اور ایسا زبردست پہرہ لگا دو کہ ان تک کتب فقہ وکتب اصول فقہ وغیرہ میں سے کوئی کتاب نہ پہنچ سکے پھر انہیں کہو کہ "فتاویٰ عالمگیری" کی مثل کتاب تیار کردو تو ان کے مولوی ایڑیاں رگڑ رگڑ کر مرجائیں گے مگر فتاویٰ جیسی کتاب نہ بنا سکیں گے۔

اعتراض ۳۹: ہمارے ہاں ایک غیر مقلد وہابی مولوی نے بجو کو حلال قرار دیا ہے اور اس سلسلہ میں مشکوٰۃ سے دو حدیثیں پیش کی ہیں۔ اور جس حدیث سے بجو کی حرمت ثابت ہوتی ہے اسے سنداً کمزور اور مجروح قرار دیا ہے اور کہا ہے کہ اس روایت میں عبدالکریم وغیرہ استاد شاگرد ضعیف ہیں۔ نیز اس نے کہا ہے جو حنفی

بجو کو حلال نہ سمجھے وہ منکرِ حدیث ہوگا اور منکر حدیث منکر رسول ہوگا اس کے متعلق صحیح تحقیق سے آگاہ فرمائیں ۱۲۔

السائل رحمت علی امام مسجد اہل سنّت وجماعت چھینہ ضلع شیخوپورہ۔

جواب: کسی چیز کے حلال یا حرام ہونے کا فیصلہ صرف ایک حدیث سے نہیں کیا جاتا بلکہ اس کے لیے اس سلسلہ میں وارد ہونے والی تمام حدیثوں کو غور وخوض کے ساتھ پڑھنا اور سمجھنا ضروری ہوتا ہے۔ غیر مقلد وہابی کو بجو کی اباحت سے متعلق مشکوٰۃ ص۲۳۷ والی روایت تو نظر آگئی لیکن رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلم کی وہ حدیثیں جن میں بجو اور اس جیسے دیگر تمام ذی ناب درندوں کی حرمت کو بیان فرمایا گیا ہے نظر نہیں آئیں حالانکہ وہ حدیثیں بھی مشکوٰۃ شریف میں موجود ہیں۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ روایت کرتے ہیں کہ حضورِ اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلّم نے ارشاد فرمایا۔

كُلُّ ذِي نَابٍ مِنَ السِّبَاعِ فَاَكْلُهٗ حَرَامٌ جتنے بھی ذی ناب درندے ہیں ان میں سے ہر ایک کا کھانا حرام ہے۔ اسی صفحہ پر سیدنا ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما فرماتے ہیں۔ نَهٰى رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنْ كُلِّ ذِي نَابٍ مِنَ السِّبَاعِ حضورِ اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ہر ذی ناب درندے سے منع فرمایا ہے یہ دونوں حدیثیں مشکوٰۃ شریف ص۳۵۹ میں اور مسلم شریف ص۱۴۷ جلد۲ میں موجود ہیں ان سے صراحۃً معلوم ہوا کہ ہر ذی ناب درندہ حرام ہے اور بجو بھی چونکہ ذی ناب درندہ ہے لہٰذا اسے بھی باقی ذی ناب درندوں کی طرح حرام ہی سمجھا جائے گا۔ یہی مذہب امام اعظم ابوحنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا ہے اور اسی پر آپ کے ماننے والے لاکھوں کروڑوں اولیاء علماء اتقیاء صدیوں سے عامل ہیں۔

بروز محشر سیدنا ابراہیم علیٰ نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام کو آزر سے متنفر کرنے کے لیے آزر کو بجو بنا دیا جائے گا (مشکوٰۃ ص۴۸۳) نیز بجو انسان کا بدترین دشمن ہے زندہ انسان

کا خون پینے کی کوشش کرتا رہتا ہے اور مردہ انسان کی قبر کھود کر لاش نکال کر بے حرمتی کرتا رہتا ہے (حیوٰۃ الحیوان ج ۲ ص۸۲) پتہ چلا کہ یہ ایک خبیث شے ہے اور قرآن مجید نے خبائث کو حرام قرار دیا ہے "یُحَرِّمُ عَلَیْهِمُ الْخَبَائِثَ" الاعراف ع۱۹)

حدیث اباحت کا جواب پھر چونکہ اصل اشیاء میں اباحت ہے اس لیے ابتداءً بجو مباح تھا بعد میں حرام ہوا جس طرح کہ شراب ابتداء اسلام میں مباح تھی بعد میں حرام فرمائی گئی۔ چنانچہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حَرَّمَ یَوْمَ خَیْبَرَ کُلَّ ذِی نَابٍ مِنَ السِّبَاعِ خیبر کے دن ہر ذی ناب درندے کو حرام قرار دیا تھا۔ (ترمذی ص ج ۱ مثلہ عن ابن عباس رضی اللہ عنہما فی ابن ماجہ ص۲۴۲ ج)

معلوم ہوا یوم خیبر سے پہلے سب ذی ناب درندے حرام نہ تھے بعد میں حرام ہوئے لہٰذا وہ روایت جس میں بجو کی اباحت کا ذکر ہے یوم خیبر سے پہلے پر محمول کی جائے گی اور حرمت والی سب حدیثوں کو بعد پر محمول کیا جائے گا۔ ایسا کرنے سے سب حدیثوں میں تطبیق ہو جاتی ہے اور تعارض بین الاحادیث کا وہم پیدا نہیں ہوتا۔

غیر مقلد وہابی کی مغالطہ دہی کا رد۔ بجو کی حرمت سے متعلق وہ حدیث جس کی سند میں اسماعیل و عبدالکریم آتے ہیں کی سند کا قوی نہ ہونا ہمارے لیے مضر نہیں کیونکہ جب اوپر ذکر کردہ صحیح المتن قوی الاسناد حدیثوں سے بجو کی حرمت ثابت ہو چکی ہے تو کسی ایک سند کا کمزور ہونا نقصان نہیں پہنچا سکتا۔ بناءً علیہ امام ترمذی علیہ الرحمت نے متنِ حدیث پر اعتراض نہیں کیا بلکہ صرف سند کے متعلق کہا ہے کہ لَیْسَ اِسْنَادُهٗ بِالْقَوِیِّ (ترمذی ص ج ۱) اور علم حدیث و اصولِ حدیث سے واقفیت رکھنے والوں پر ظاہر ہے کہ سند کی عدم قوت متن کے ضعف کو مستلزم نہیں ہوتی۔ جیسا کہ حدیث شریف میں ہے کہ جو شخص کسی عورت سے نکاح کرے پھر اگر اس سے صحبت کر کے طلاق دے تو اس کی بیٹی سے نکاح نہیں کر سکتا ورنہ اس کی بیٹی کو نکاح میں لا سکتا ہے اور اگر بیوی کی ماں سے نکاح کرنا چاہے تو نہیں کر سکتا اگرچہ بیوی

کو بغیر صحبت کے ہی طلاق دے دی ہو۔ اس حدیث کو ترمذی نے " لَا یَصِحُّ مِنْ قِبَلِ اِسْنَادِہٖ " کہا ہے (ترمذی ج۱ ص۱۳۳ مشکوٰۃ ص۲۷۵) حالانکہ اس حدیث کا متن و مضمون اتنا صحیح ہے کہ چوتھے پارے کی آخری آیت کے بالکل مطابق ہے۔

قفال مروزی اور محمود غزنوی: سیدنا امام اعظم ابوحنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی شان میں گستاخی کرنے اور آپ کے مذہب مہذب پر اعتراض کرنے کے لیے درج ذیل مردود حکایت کئی وہابیوں نے الٹے سیدھے ترجمے کے ساتھ شائع کی۔ اس وقت ہمارے سامنے ہفت روزہ الاسلام لاہور ہے اور ایک چھوٹی سی رسلیہ۔ ہفت روزہ میں پسرور کے ایک وہابی نے اور رسلیہ میں فیصل آباد جناح کالونی دار القرآن و الحدیث سے متعلق ایک دوسرے وہابی نے اس جرم کا ارتکاب کیا ہے۔ پہلے ان کا اعتراض سُنو پھر جواب

اعتراض نمبر۴۰: "سلطان محمود غزنوی حنفی المسلک تھے اور علم حدیث کے حریص تھے۔ اسی سلسلہ میں علماء و مشائخ سے احادیث سُنا کرتے تھے۔ پس اکثر حدیثوں کو سلطان نے شافعی مسلک پر پایا۔ اس نے علماء سے مطالبہ کیا کہ دونوں مسلکوں میں جو بہتر ہے مجھے اس سے آگاہ کیا جائے تو سب کا اس بات پر اتفاق ہوا کہ دو دو رکعتیں دونوں مسالک کے مطابق پڑھنی چاہیئے۔ پس قفال مروزی نے پہلے امام شافعی کے مسلک پر پڑھی۔ جو احادیث کے مطابق تھی۔ اس کے بعد حنفی نماز کی باری آئی تو قفال نے بغیر نیت کے الٹا وضو کیا پانی کی جگہ نبیذ تمر کو استعمال کیا چونکہ موسم (صمیم الصیف) سخت گرمی کا تھا اس لیے اس کے جسم پر بے شمار مکھیاں اور مچھر جمع ہوگئے۔ پھر اس نے کتے کی دباغت شدہ کھال پہن لی اور اس کے ایک حصہ کو نجاست سے تر کرکے نماز شروع کی۔ تکبیر کی جگہ خدائے بزرگ کہا اور قرأت کی جگہ دو برگ سبز کہا (ترجمہ مدھامتان) اور بجائے سجود کے مرغ کی طرح دو ٹھونگے مارے اور سلام کی جگہ گوز مار دیا۔ پھر کہا اے بادشاہ (ھٰذِہٖ صَلٰوۃُ اَبِیْ حَنِیْفَۃَ) یہ ہے حنفی نماز۔ بادشاہ نے ایک نصرانی کو [illegible] [illegible] قفال کی تصدیق

کی۔ یہ حقیقت دیکھ کر محمود غزنوی حنفیت ترک کرکے امام شافعی والے مسلک پر کاربند ہوگیا (حیاۃ الحیوان صفحہ ۲۵۹ ج ۲)

جواب: امام الائمہ کاشف الغمۃ سیدنا الامام الاعظم ابو حنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی یہ کرامت ہے کہ آپ کے اور آپ کے مذہب مہذب کے خلاف گھڑی ہوئی یہ رام کہانی اپنے من گھڑت و جھوٹا ہونے پر خود ہی کئی وجوہ سے دلالت کرتی ہے۔

اَوّلاً: ابن کثیر نے "قفال مروزی" کے متعلق لکھا ہے کہ وہ پہلے اقفال یعنی تالے بنایا کرتے کرتے تھے پھر پڑھائی کی طرف مائل ہوئے تو علم و زہد میں حفظ و تصنیف میں وہ "مذہب شافعی" کے اکابر اماموں میں شمار کیے گئے۔ اور "طریقہ خراسانیہ" کے منسوب الیہ قرار پائے (البدایۃ والنہایہ ج ۲ صفحہ ۲۲) تو جو شخص شافعی المذہب ہو اور اتنی بڑی عالی صفات سے موصوف ہو وہ اماموں کے امام فقیہوں کے استاذ محدثوں کے مقتدا۔ مفسروں کے راہنما حضرت امام اعظم ابو حنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی شانِ اقدس میں گستاخی نہیں بک سکتا بلکہ تعریف و توصیف ہی کرے گا۔ کیونکہ شوافع کے امام سیدنا محمد بن ادریس الشافعی امام اعظم کی تعریف میں خود فرماتے ہیں (۱) اَلنَّاسُ عِیَالٌ عَلٰی اَبِیْ حَنِیْفَۃَ فِی الْفِقْہِ۔ فقہاء و مجتہدین سب کے سب فقہ میں امام ابو حنیفہ کے بال بچے ہیں۔

(۲) مَنْ اَرَادَ اَنْ یَّتَبَحَّرَ فِی الْفِقْہِ فَھُوَ عِیَالٌ عَلٰی اَبِیْ حَنِیْفَۃَ جو شخص فقہ و اجتہاد میں متبحر بننا چاہے اسے امام ابو حنیفہ سے بچوں کی طرح پرورش پانی چاہیئے (تبییض الصحیفہ صفحہ ۱۱)

امام عبدالوہاب الشعرانی: شافعی المذہب ہونے کے باوجود "المیزان الکبریٰ" میں رقمطراز ہیں کہ (۱) امام ابو حنیفہ کا کوئی قول قرآن و حدیث کے مخالف نہیں (صفحہ ۶۴ ج ۱) (۲) وہ خود فرماتے ہیں کہ اگر کوئی مسئلہ درپیش ہو تو ہم اس کا جواب قرآن مجید میں تلاش کرتے ہیں نہ ملے تو حدیث شریف میں تلاش کرتے ہیں نہ ملے تو صحابہ کرام کے فیصلوں میں تلاش کرتے ہیں نہ ملے تو مسئلہ "منطوق بہا" پر مسئلہ "مسکوت عنہا" کو قیاس

کرتے ہیں بشرطیکہ دونوں کی علت ایک ہو (ج ۱ ص ۶۵) (۳) اندریں حالات قیاس کرنا امام ابوحنیفہ کے ساتھ مختص نہیں دیگر فقہاء بھی ان کے مضائق میں قیاس کیا کرتے ہیں (ج ۱ ص ۶۶) (۴) امام شافعی اور امام مالک کے مقلدین اگر انصاف کریں تو وہ امام ابوحنیفہ کے کسی قول کی تضعیف نہیں کرسکتے (ص ۶۳) (۵) ہم نے امام ابوحنیفہ کی مسانید کا مطالعہ کیا ان کی روایت کردہ ہر حدیث کو صحیح پایا (ج ۱ ص ۶۳) (۶) امام ابوحنیفہ کی یہ عادت تھی کہ جو مسئلہ کتاب و سنت سے مستنبط فرماتے پہلے اسے اپنے معاصر علماء پر پیش کرتے جب سب علماء متفق ہوجاتے تو اس کے لکھنے کا حکم دیتے (ج ۱ ص ۵۹) (۷) بلکہ ان کو نیز دیگر مجتہدین کرام کو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ نسبت حضوری حاصل تھی جب کوئی مسئلہ استنباط فرماتے تو روحانی طور پر بارگاہ اقدس سید عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں پیش کرتے کہ یا رسول اللہ ہم نے فلاں آیت یا فلاں حدیث سے یہ مسئلہ سمجھا ہے۔ کیا یہ درست ہے؟ (ج ۱ ص ۴۲) (۸) میرے مرشد گرامی حضرت علی الخواص کے روبرو ایک دفعہ ایک شخص نے کہا "فی ھٰذا الحدیث رَدٌّ علی ابی حنیفہ" اس حدیث میں ابوحنیفہ کا رد ہے۔ یہ گستاخانہ فقرہ سنتے ہی فرمایا قَطَعَ اللّٰہُ لِسَانَکَ اللہ تیری زبان کاٹے۔ تو امام ابوحنیفہ کی بے ادبی کرتا ہے (ج ۱ ص ۶۳) (۹) ایک بے ادب نے میرے سامنے امام ابوحنیفہ کے تلامذہ کی شان میں گستاخی کی۔ میں نے روکا پر نہ رکا اللہ تعالیٰ نے اسے دنیا میں یہ سزا دی کہ سیڑھی کے اوپر سے ایسا گرایا کہ ہڈی ٹوٹ گئی اس نے چاہا کہ میں اس کی عیادت کو جاؤں مگر اس کے بے ادب ہونے کی وجہ سے نہ گیا بالآخر وہ اس بری حالت میں مرگیا (ج ۱ ص ۶۵) (۱۰) امام فخر الدین رازی (مثلاً القفال المروزی) امام ابوحنیفہ کے سامنے ایسے ہیں جیسے استاذ کے سامنے کوئی شاگرد یا سلطان اعظم کے سامنے کوئی فرد رعیت یا سورج کے سامنے کوئی تارا (ص ۶۴)

صاحبِ مشکوٰۃ: شافعی المذہب تھے مگر اپنے رسالہ "الاکمال فی اسماء الرجال" ملحقہ بمشکوٰۃ میں امام اعظم ابوحنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی بارگاہ میں بہترین

الفاظ میں ہدیہ ہائے عقیدت پیش کرنے کے بعد فرماتے ہیں۔ اَلْغَرَضُ بِاِیْرَادِ ذِکْرِہٖ فِیْ ھٰذَا الْکِتَابِ لِلتَّبَرُّکِ بِہٖ۔ اس جگہ امام ابوحنیفہ کا تذکرہ صرف حصولِ برکت کے لیے کیا گیا ہے (ص ۶۲۵)

ثانیًا: جس وضو اور جس نماز کی نسبت امام اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی طرف کرکے کہا گیا ہے کہ "ھٰذِہٖ صَلٰوۃُ اَبِیْ حَنِیْفَۃَ" اس وضو اور اس نماز سے حضرت امام کی پوری زندگی ناآشنا ہے آپ نے نہ کبھی ایسا وضو کیا نہ کرنے کا حکم دیا نہ کبھی ایسی نماز پڑھی نہ پڑھنے کا امر فرمایا۔ آپ کی سیرت پر متعدد کتب شافعی المذہب حضرات نے بھی لکھی ہیں لیکن ایسے وضو اور ایسی نماز کا کسی نے ذکر نہیں کیا۔ بلکہ اس کے برعکس تحریر فرماتے ہیں کہ

۱: امام اعظم ابوحنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے چالیس سال تک مسلسل شب بیداری فرمائی اور عشاء کے وضو سے نمازِ صبح پڑھی (تبییض الصحیفہ ص ۱۹ الخیرات الحسان مترجم ص ۸۱)

۲: نماز میں بھی اور تلاوت قرآن مجید کے وقت بھی آپ پر رقت طاری ہوا کرتی کہ دیر تک رویا کرتے (تبییض ص ۱۹)

۳: ایک دفعہ ایک نماز پڑھانے والے نے یہ آیت پڑھی (ترجمہ) ہرگز اللہ کو بے خبر نہ جاننا ظالموں کے کام سے (ابراہیم ۱۳، آیت ۱) تو حضرت امام کا سارا بدن خوفِ خدا سے کانپنے لگا (الخیرات ص ۸۹)

۴: یونہی ایک دفعہ نماز عشاء میں سورۃ "اِذَا زُلْزِلَت" کی تلاوت سن کر شب بھر ٹھنڈی سانسیں بھرتے رہے اور اس کی آخری آیتوں کا مضمون دہرا دہرا کر دعا کرتے رہے کہ "اے وہ جو ذرہ بھر نیکی کی جزا اور ذرہ بھر بدی کی سزا دے گا اپنے بندے نعمان کو آگ سے بچا۔ (تبییض الصحیفہ ص ۳۶۔ الخیرات ص ۸۸)

ثالثًا: حنفی مذہب پر آج تک ہزاروں نہیں لاکھوں کتابیں مختلف زبانوں میں چھوٹی بڑی لکھی جا چکی ہیں لیکن کسی کتاب میں ایسا وضو کرنے اور ایسی نماز پڑھنے کا حکم نہیں ملتا بلکہ

اس وضو اور اس نماز کو نہ کسی حنفی نے فرض کہا ہے نہ واجب نہ سُنّت نہ مستحب۔ اگر کسی میں ہمت ہے تو کسی معتبر کتاب کے حوالہ سے ثابت کریں۔ اور انعام پائیں ورنہ جھوٹے لوگ ہر روز سب مل کر ۹۹۹۹ مرتبہ "لَعْنَۃُ اللّٰہِ عَلَی الْکَاذِبِیْنَ" پڑھ کر اپنے پر دم کر لیا کریں۔

رابعًا: اگر اس قسم کا کوئی واقعہ پیش آیا ہوتا تو اس وقت کے اکابر علماء احناف دوسرے فریق کو ہرگز معاف نہ کرتے بلکہ شاہی دربار میں اس کی خوب مرمت فرماتے کہ "اے ادقفال" جب تو نے مذہب شافعی کے مطابق وضو کرتے اور نماز پڑھتے وقت سنن و مستحبات کا التزام اور مکروہات سے اجتناب کیا ہے تو مذہب حنفی کا نقشہ پیش کرتے وقت اس التزام و اجتناب سے کیوں گریز کیا؟ یہاں سنن و مستحبات پر کیوں عمل نہ کیا اور مکروہات کو کیوں نہ چھوڑا؟ پرے ہٹ! ہم اپنے مذہب مہذب کے مطابق وضو کرتے اور نماز پڑھتے ہیں۔ اس صورت میں سب کی آنکھیں کھل جاتیں اور ظاہر ہو جاتا کہ حنفی مذہب سب سے اعلیٰ سب سے ستھرا سب سے احوط اور سب سے ازکی ہے کیونکہ

"**حنفی وضو:** میں چار فرض ۱۶ سنتیں تقریبًا، مستحبات اور ۲۰ مکروہات ہیں اور "حنفی نماز" میں شروط صحت کے علاوہ، فرض ۹ ۴۹ واجب ۹، سنتیں ۱۵ مستحبات ۳۴ مکروہاتِ تحریمیہ اور ۶۰ مکروہات تنزیہیہ ہیں۔

(بہار شریعت ص ۱۱ تا ۱۸ ج ۲ ص ۳۲ تا ۱۴۲ ج ۳)

ان سب کی رعائت کی جائے تو وضو سب سے بہتر اور نماز سب سے خوب تر ہو جاتی ہے اس سے اعلیٰ نہ وضو متصور ہو سکتا ہے نہ نماز۔ (لہ الحمد والمنۃ کہ ہم اسی مذہب کے پیروکار ہیں) وضو کرتے وقت نیت کرنا۔ بسم اللہ شریف پڑھنا جس ترتیب کے ساتھ اللہ تعالیٰ نے (سورۃ المائدہ ع ۲ میں) مغسول و ممسوح اعضاء کا ذکر فرمایا ہے اس ترتیب کے ساتھ اعضاء دھونا مسح کرنا۔ بوقت مضمضہ و استنشاق پہلے منہ

میں پھر ناک میں پانی ڈالنا۔ پورے سر کا ایک بار مسح کرنا۔ یہ سب امور عندالاحناف وضو میں سُنّت ہیں اور ان کا ترک مکروہ ہے۔ (بہار شریعت حصہ ۲ صفحہ ۱۹) قصّہ مذکورہ میں مستحبات کے ترک کے علاوہ ان سنتوں کو چھوڑ کر متعدد مکروہات کا ارتکاب کیا گیا ہے اسے "حنفی وضو" کا نقشہ نہیں کہا جا سکتا۔

حنفی نماز: میں سورۂ فاتحہ کی سات آیات میں سے ہر ایک کا پڑھنا، پھر ایک چھوٹی سورۃ یا تین چھوٹی آیتیں یا ان کے برابر ایک بڑی آیت متصلاً پڑھنا۔ رکوع، قومہ، جلسہ اور ہر سجدہ میں اس قدر ٹھہرنا کہ تمام اعضاء اپنی جگہ قرار پکڑ لیں۔ آخری تشہد پڑھ کر دو بار سلام کہنا، یہ سب امور نماز میں واجب ہیں۔ قصۂ مذکورہ میں سنن و مستحبات کے ترک کے علاوہ ان واجبات کو چھوڑ کر ایسی نماز پڑھی گئی ہے جس کا دوبارہ پڑھنا عندالاحناف واجب ہے نہ صرف واجب بلکہ فرض ہے کیونکہ اس چھوٹی کہانی میں حنفی نماز کا نقشہ مفروضہ نیتِ نماز سے بھی خالی ہے اور رکوع سے بھی۔ حالانکہ عندالاحناف نیت شرط ہے اور رکوع فرض و رکن۔ شرط و فرض کے بغیر نماز ہرگز نہیں ہوتی۔ تو اس نماز کو حنفی نماز قرار دینا کسی طرح درست ہو سکتا ہے؟ حنفی مذہب پر بہتان تراشی کی اس سے بدتر کیا مثال ہوگی؟ کیا مخالفین کے مذہب میں بہتان تراشی کے سوا کچھ نہیں؟ ؎

تن کے اجلو من کے کالو کیا یہی اسلام ہے؟

مخالفین کے دامِ تزویر میں پھنسنے والے عوام بیچاروں نے بارہا ہم حنفیوں کو وضو کرتے اور نماز پڑھتے دیکھا ہوگا۔ کیا کسی نے کسی حنفی کو ایسا وضو کرتے اور ایسی نماز پڑھتے دیکھا ہے؟ کیا مخالفین کے جھوٹا ہونے کے لیے یہ منگھڑت کہانی کافی نہیں؟

(۵) مسئلہ دباغت: حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا (۱) دِبَاغُ الْاَدِیْمِ طَھُوْرُہٗ۔ (۲) دِبَاغُ جُلُوْدِ الْمَیْتَۃِ طَھُوْرُھَا (۳) دِبَاغُ کُلِّ اِھَابٍ طَھُوْرُہٗ۔ (۴) ذَکٰوۃُ الْمَیْتَۃِ دِبَاغُھَا (۵) ذَکٰوۃُ کُلِّ مَسْکٍ دِبَاغُہٗ (الجامع الصغیر ج ۲ ص ۱۴-۱۹) (۶) دِبَاغُ

الْمَیْتِ وَزَکٰوتُهٗ طُهُوْرُهٗ (کنوز الحقائق علی ہامشہ ص۱۲۹ ج۱) (۷) اِذَا دُبِغَ الْاِهَابُ فَقَدْ طَهُرَ

(۸) اَمَرَ اَنْ یُّسْتَمْتَعَ بِجُلُوْدِ الْمَیْتَةِ اِذَا اُدْبِغَتْ (مشکوٰۃ ص۵۲ ج۱)

یہ آٹھ حدیثیں ہیں ان کا مطلب یہ ہے کہ مردار جانور کے چمڑا کی دباغت کی جائے تو چمڑا پاک ہو جاتا ہے ماکولُ اللحم جانور کا ہو یا غیر ماکول کا۔ اور قرآن مجید میں خنزیر کو چونکہ نجس العین قرار دیا گیا ہے (الانعام ۱۴۵) بنابریں قرآن و حدیث میں فرق مراتب کا لحاظ رکھتے ہوئے حنفی علماء خنزیر کو حکم بالا سے مستثنیٰ کر کے فرماتے ہیں کہ اس کا چمڑا دباغت سے پاک نہ ہوگا۔ اور کُتا چونکہ خنزیر کی طرح نجس العین نہیں اس سے شکار کرنا بھی جائز ہے اور مویشی کی حفاظت بھی اس لیے اسے احادیث مبارکہ کے حکم سے مستثنیٰ نہیں کرتے بلکہ فرماتے ہیں کہ اس کا چمڑا بھی دیگر حرام مردار جانوروں کے چمڑوں کی طرح دباغت سے پاک ہو جاتا ہے۔ لیکن حنفی مذہب کی کتب قدیمہ یا جدیدہ کسی میں یہ فتویٰ درج نہیں کہ بوقت نماز کپڑے اتار لیے جائیں اور کُتے کی دباغت شدہ کھال پہن لی جائے۔ قصہ مفروضہ میں ذکر کردہ نماز کسی مسخرے نقال کی نماز تو ہو سکتی ہے حنفی نماز نہیں۔ البتہ حنفی علماء یہ فتویٰ ضرور دیں گے کہ اگر کسی کے پاس کپڑے بالکل نہ ہوں۔ صرف کتے کی دباغت شدہ کھال ہو تو وہ ننگا ہو کر نماز نہ پڑھے بلکہ اس کھال سے ستر چھپا کر پڑھے۔ کیا "نقال" مذہب شافعی کے مطابق نماز پڑھنے کے بعد ننگا کر دیا گیا تھا کہ اسے کھال کی ضرورت پیش آئی؟

(۶) **نبیذ تمر:** سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی خدمتِ اقدس میں جس رات جن حاضر ہوتے اس رات مجھ سے پوچھا "مَا فِیْ اِدَاوَتِكَ" تیرے برتن میں کیا ہے؟ میں نے عرض کیا کہ برتن میں نبیذ ہے۔ فرمایا تَمْرَةٌ طَیِّبَةٌ وَّمَاءٌ طَهُوْرٌ۔ کھجور پاک ہے اور پانی پاک کرنے والا۔ زَادَ فِی الْمَصَابِیْحِ وَتَوَضَّاَ مِنْهُ پھر آپ نے اس نبیذ سے وضو فرمایا (مشکوٰۃ ص۵۰ مع الحاشیہ ص۹ ترمذی ص۱۳ ج۱) اس حدیث کے پیش نظر حنفی علماء فرماتے ہیں کہ بحالت

سفر اگر نماز کا وقت آجاتے اور صاف ستھرا پانی میسر نہ ہو صرف "نبیذ تمر" ہو یعنی وہ پانی موجود ہو جس میں چند کھجوریں ڈال دی گئی تھیں تو اگر کھجوریں تا ہنوز اچھی طرح نہیں گھلیں اور پانی کی رقت و سیلان میں فرق نہیں آیا گاڑھا نہیں ہوا، تو بجائے تیمم کے اس پانی سے وضو کرے (ردالمحتار ص۱۵۲ ج۱) "فرضی نقال" نے جب بمطابق مذہب شافعی وضو کر لیا تھا۔ تو اس وضو سے حنفی نماز بھی پڑھ سکتا تھا نئے وضو کی کیا ضرورت تھی؟ نیز جب وہاں صاف ستھرا پانی موجود تھا تو اس کی موجودگی میں حنفی علماء نبیذ سے وضو کرنے کی کب اجازت دیتے ہیں؟

مسئلہ سنز (۷)**:** حنفی مذہب کی کسی کتاب میں کسی امام نے یہ نہیں لکھا کہ پاک کپڑوں کو نماز پڑھتے وقت نجاست آلود کر لیا جائے (معاذاللہ) یہ کسی بہت بڑے جھوٹے، بہت بڑے نقال، بہت بڑے مسخرے، اور بہت بڑے مفتری نے ہم پر افترا باندھا ہے بلکہ حنفی علماء تو یہ فرماتے ہیں کہ اگر کوئی شخص بالکل برہنہ ہو اسے پاک کپڑوں کی بجائے ایسا پلید کپڑا کہیں سے دستیاب ہو جائے جس کی صرف ایک چوتھائی پاک ہے تو وہ برہنہ نماز پڑھنے کی بجائے کپڑا پہن کر پڑھے (ردالمحتار ص۲۷۶ ج۱ بہار شریعت ص۳۸ ج۲)

مُدْهَامَّتَانِ (۹)**:** کا ترجمہ (دو برگ سبز) جو منگھڑت حکایت میں ذکر کیا گیا ہے۔ عالمانہ نہیں جاہلانہ ہے۔ کیونکہ "مُدْهَامَّتَانِ" تثنیہ ہے اس کا مفرد مُدْهَامَّةٌ اور مصدر "اِدْهِيمَامٌ" ہے مصدر کا ترجمہ "سیاہ شدن ہے" کہا جاتا ہے اِدْهَامَّ الشَّيْءُ اِدْهِيمَامًا اِذَا اسْوَدَّ اور مُدْهَامَّةٌ اس باغ کو کہتے ہیں جو بسبب سخت سبز ہونے کے مائل بسیاہی ہو (قاموس ص۸۱۱) تو مُدْهَامَّتَانِ کا ترجمہ "دو برگ سبز" نہیں بلکہ یہ ہے "دو جنتیں جو اس قدر سبز ہیں کہ سیاہی کی جھلک دیتی ہیں" نیز مُدْهَامَّتَانِ" کا موصوف "جَنَّتَانِ" قرآن مجید میں صراحتہً مذکور ہے (الرحمٰن ع۲) تو اپنی طرف سے "وَرَقَتَانِ" مقدر ماننے کی ضرورت نہیں بلکہ "وَرَقَتَانِ"

کو اس کا موصوف بنانا درست معلوم نہیں ہوتا کیونکہ صرف دو پتے سیاہی کی جھلک نہیں دے سکتے اس کے لیے لاتعداد پتوں کی ضرورت ہوتی ہے اور دو جنتوں کا لاتعداد ہرے پتوں پر مشتمل ہونا ممکن ہی نہیں بلکہ واقع ہے۔

(کما ھو مصرح فی الاحادیث النبویۃ صلی اللہ تعالیٰ علی صاحبہا)

(۹) عجمی نماز: جو شخص عربی پر قادر ہو اس کا غیر عربی میں نماز کے اندر قرآن مجید پڑھنا عندالامام الاعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ مرجوع عنہ ہے اور ناجائز (توضیح تلویح ص۹۶ نسائی ج۱ ص۳۲۵ ہدایہ ج۱ ص۱۰۲) تو جس قول سے رجوع فرما لیا گیا ہو اُسے نشانہ اعتراض بنانا اور "دو برگ سبز" کہنے کو کافی سمجھنا اور درست جاننا جہالت و حماقت نہیں تو اور کیا ہے؟ جس طرح نص منسوخ پر کوئی ذی ہوش تنقید نہیں کر سکتا یونہی مجتہدین کے اقوال مرجوع عنہا پر کوئی عقلمند معترض نہیں ہو سکتا۔ خدا معلوم "فرعی نقال" کے اس ناپاک ڈرامے کو ترتیب دینے والے عقل و خرد سے کیوں محروم کر دیئے گئے ہیں۔

(۱۰) نیّتِ وضو: نیت وضو کے کوئی خاص الفاظ نہیں ہوتے کہ اگر آواز [illegible] پڑھے جائیں تو وضو بانیت ہوگا ورنہ بے نیت۔ بلکہ دل سے وضو کا قصد کرنے کا نام نیت ہے۔ اور وضو بے نیت کی صورتیں بہت کم پائی جاتی ہیں۔ مثلاً کوئی شخص نہر کے یا تالاب کے کنارے کھڑا ہو یا جا رہا ہو اور اچانک پانی میں گر پڑے یا کوئی [illegible] اسے دھکا دے کر پانی میں گرا دے یا کوئی شخص تیز بارش میں گھر جائے [illegible] اعضائے وضو پر پانی بہہ پڑے یا صرف تبرید اعضا۔ یا صاف [illegible] پانی بہائے یا مل مل کر دھوئے تو اس کے وضو کو وضوئے بے نیت [illegible] کوئی شخص وضو کے لیے پانی منگائے یا خود برتن میں ڈالے [illegible] یا ٹونٹی کھولے تو اس کے وضو کو وضوئے بے نیت نہیں کہ [illegible] ثابت [illegible] تعالیٰ

کہ جس وضو (بالنبیذ) کا ذکر کیا گیا ہے وہ وضوء بے نیت نہیں ہو سکتا کیونکہ جب اس نے خود نبیذ منگایا اور بڑی ہوشیاری کے ساتھ اپنی عادت اور تمام مسلمانوں کی عادت کے خلاف سنن و مستحبات کو چھوڑتے اور مکروہات کے مرتکب ہوتے ہوئے الٹا وضو کیا تو اس کے وضو کو وضوء بے نیت کہنا کیونکر درست ہو سکتا ہے۔ البتہ اگر وہاں نبیذ کا کوئی تالاب ہوتا اس میں اس نقال کو کوئی مسخرہ ساحر اچانک پھینک دیتا اور اپنے سحر کے ذریعہ پہلے اس کا صرف بایاں پاؤں ڈوبنے دیتا پھر دایاں پھر صرف بایاں ہاتھ ڈوبنے دیتا پھر دایاں پھر صرف منہ کا بایاں رخسار ڈوبنے دیتا پھر دایاں پھر صرف ناک میں نبیذ چڑھنے دیتا پھر منہ میں پھر سر کی الٹی طرف خود ہی ہاتھ سے مسح ہونے لگتا تو اس وضو کو الٹا بھی اور بے نیت بھی کہہ سکتے تھے لیکن یہاں یہ صورت پیش نہ آئی تو اس وضو کا بے نیت ہونا باطل ٹھہرا۔ معلوم ہوا کہ سیدنا امام اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے دشمن عقل کے بھی دشمن ہوتے ہیں۔ (العیاذ باللہ)

مسئلہ تشہد: حدیث میں ہے جب کوئی شخص نماز کے اخیر بمقدار تشہد بیٹھ کر سلام پھیرنے سے پہلے وضو توڑ دے (فقد جازت صلوته) تو اس کی نماز جائز ہو گئی۔ مشکوۃ ص۹۲ دوسری حدیث میں ارشاد فرمایا تحریمها (الصلوٰۃ) التکبیر وتحلیلها التسلیم تکبیر کہنا نماز میں داخل ہونا ہے اور سلام پھیرنا نماز سے نکلنا ہے (ابو داؤد ص۹۱ ج۱۔ ترمذی ص۳ ج۱) پہلی حدیث سے معلوم ہوا کہ بعض صورتوں میں سلام پھیرنے کے بغیر بھی نماز ہو جاتی ہے اور دوسری حدیث سے پتہ چلا کہ سلام پھیرنا ضروری ہے۔ دوسری حدیث بنسبت پہلی حدیث کے قوی ہے (ترمذی ص۳۲و۳ ج۱)

اور اسی قوی روایت کے مطابق حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اور آپ کے صحابہ کرام نے ہمیشہ عمل فرمایا اور اپنے عمل سے اسے قوی تر بنایا۔ اور پہلی کے متعلق مشکوۃ میں بحوالہ ترمذی مذکور ہے کہ اس کی سند قوی نہیں باعتبار سند کے مضطرب ہے۔ سند کی بنا پر مضطرب کہنے اور سند ہی کی بنا پر کمزور بتانے سے پتہ چلا کہ پہلی حدیث متن و مضمون

کے لحاظ سے نہ مضطرب ہے نہ کمزور۔ بلکہ امام طحاوی نے اس کی متعدد سندیں ذکر فرمائی ہیں جن سے ثابت ہوا کہ یہ حدیث اپنی متعدد سندوں کی وجہ سے ضعیف نہیں "حسن" ہے (طحاوی ج ۱ ص ۱۶۲ مرقاۃ ج ۲ ص ۱۸) اور چونکہ حدیث "حسن" بھی احتجاج کے لائق ہوتی ہے اس لیے پہلی حدیث کو محض بیکار اور نری باطل نہیں کہہ سکتے بلکہ دونوں میں حسب قواعد محدثین تطبیق دیں گے۔ حنفی علماء ان میں تطبیق دیتے ہوئے فرماتے ہیں کہ دوسری حدیث کے پیش نظر دونوں طرف سلام پھیرنا واجب ہے۔ جس نے سلام نہ پھیرا اور سلام کے بغیر وضو توڑ دیا اس نے دو واجب ترک کئے اس پر اس نماز کا اعادہ واجب و ضروری ہے۔ اور پہلی حدیث کے جملہ (جَازَتْ صلوٰتُہٗ) کا یہ مطلب نہیں کہ اس کی نماز بالکل بلا کراہت و بلا گناہ جائز ہوگئی بلکہ مطلب یہ ہے کہ جس نے سلام نہ پھیرا اور نماز کے اخیر پہنچ کر وضو توڑ دیا تو اس کی نماز کراہت تحریمی کے ساتھ ادا ہوئی ہے اور جو نماز کراہت تحریمی کے ساتھ ادا کی جائے اس کا دوبارہ پڑھنا واجب ہوتا ہے (رد المحتار ج ۱ ص ۳۰۰) لہٰذا دونوں حدیثوں میں تعارض نہ رہا اور دونوں میں من حیث المفہوم اتحاد ہو گیا۔ حنفی علماء نے کسی کتاب میں یہ حکم نہیں دیا کہ سلام نہ پھیرا کرو اور اس کی جگہ وضو توڑ دیا کرو۔ یہ عظیم بہتان ہے جس سے صرف شیطان کو خوش کیا گیا ہے نیز یہ اعتراض بظاہر علمائے احناف پر ہے اور دراصل حدیث شریف پر ہے کیونکہ علماء نے حدیث ہی کی وضاحت فرمائی ہے اپنی طرف سے کچھ نہیں کیا۔ جزاھم اللہ خیر الجزا۔

نوٹ: پیٹ کی ہوا آدمی کے اختیار میں نہیں ہوتی کہ جب چاہا دھماکہ کر دیا اور جب چاہا بے آواز نکال دی۔ خصوصاً زاہدین کرام کہ ان کے پیٹ اس بدبو کے ذخیرے سے پاک ہوتے ہیں نہ زیادہ کھاتے ہیں۔ نہ ہوا کا دباؤ بڑھتا ہے۔ جب قفال مروزی کا زاہد ہونا بحوالہ ابن کثیر گزر چکا ہے تو پھر ضراط در صلوٰۃ کو ان کی ذات کی طرف منسوب کرنا جھوٹ نہیں تو اور کیا ہے۔

فقہی عبارات: صحیح سمجھ حاصل کرنے کے لیے صرف عربی دان ہونا کافی نہیں۔ بلکہ فقاہت

فقہار سے واقف ہونا بھی ضروری ہے ایک شخص نے سیدنا امام اعظم ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ کی ذاتِ اقدس پر اعتراضات کیے اور اعتراض نامہ محققِ مذاہب اربعہ سیدی عبدالوہاب شعرانی علیہ الرحمۃ کی خدمت میں پیش کیا ۔ آپ نے فرمایا ۔ مِثْلُكَ يَفْهَمُ كَلَامَ الْإِمَامِ حَتّٰى يَرُدَّ عَلَيْهِ ۔ تجھ جیسا حضرت امام کا کلام سمجھ سکتا ہے؟ کہ ان پر اعتراض کرے۔ (المیزان صفحہ ۶۴) جب اصطلاحات سے ناواقف شخص مسلمان ہونے کے باوجود کلام امام نہ سمجھ سکا تو مردود نصرانی کی عقلِ نارسا اور فہمِ ناقص کی کیا مجال کہ حضرت امام کے عرشِ تحقیق تک پہنچ سکے اور صحیح مسئلہ سمجھ کر دوسروں کو سمجھا سکے ۔ نیز نصرانی کافر ہے اور بحکم قرآن مجید "الضالین" میں داخل اور "قَاتَلَهُمُ اللّٰهُ" کا مصداق ہے تو یہ کیسے مانا جائے کہ احناف و شوافع کے مقتدر علمار نے اس کافر کو ثالث تسلیم کر لیا تھا ۔ اگر کوئی ایسا قصہ پیش آیا ہوتا تو حضرت ابوالحسن خرقانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کو ثالث بنایا جاتا جن سے بادشاہ کو بڑی عقیدت تھی اور جن کے مقدس پیراہن کی برکت و وسیلہ سے سومنات فتح ہوا تھا حالانکہ شاہی فوج بالکل بے بس ہو چکی تھی (تذکرہ مشائخ نقشبندیہ صفحہ ۶)

کذب بیانی : صمیم الصیف کے معنے شدید گرمی کے ہیں ۔ (قاموس صفحہ ۸۳۶) جبکہ گرم لو سے مچھر بھی مر جاتے ہیں اور مکھیاں بھی ۔ اور "حیٰوۃ الحیوان" میں لکھا ہے کہ جس موسم میں یہ دونوں موجود ہوں اس وقت مکھیاں مٹھاس پر صرف دن کو جمع ہوتی ہیں رات کو نہیں اور مچھر صرف رات کو دھاوا بولتے ہیں دن کو نہیں (صفحہ ۳۵۵-۲۹۶ ج ۱) نیز تلاوت بالجہر صرف رات کی نمازوں میں ہوتی ہے دن کی نمازوں میں نہیں ۔ تو قصۂ مذکور میں ان چاروں (۱۔ شدید گرمی ۔ ۲۔ مچھر ۔ ۳۔ مکھیاں ۔ ۴۔ تلاوت بالجہر) کے بیک وقت جمع ہونے کا تذکرہ ہی اس کے جھوٹا ہونے کی واضح دلیل ہے ۔

بے ادبی : اللہ تعالیٰ کے مقدس پیغمبروں میں سے کسی ایک کا منکر و کافر سب کا منکر و کافر سمجھا جاتا ہے ۔ یونہی اولیار کاملین میں سے کسی ایک کا بے ادب و گستاخ

سب کا بے ادب و گستاخ قرار پاتا ہے۔ چنانچہ اس فرضی حکایت کے گھڑنے والے نے جب سیدنا امام اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے خلاف بکواسات کیں تو اس نے امام شافعی علیہ الرحمۃ کو بھی معاف نہ کیا۔ ان کی ذاتِ اقدس کی طرف بھی اس بدنصیب نے بہت بڑے گناہ کی نسبت کر دی۔ لکھتا ہے کہ "قفال مذکور" مذہب شافعی کے مطابق نماز پڑھتے ہوئے ایسے آداب بجالایا کہ (لا یجوز الشافعی دونھا) ان کے بغیر امام شافعی کے اعتقاد میں نماز جائز نہیں ہوتی۔ حالانکہ آداب نماز کو وہ درجہ ہرگز حاصل نہیں کہ ان کی بجاآوری کے بغیر نماز ہی درست نہ ہو بلکہ ایسا اعتقاد بجائے خود بہت بڑا گناہ ہے۔ دیکھئے امام کا نماز سے فارغ ہونے کے بعد دائیں طرف منہ پھیر کر بیٹھنا آداب میں سے ہے اور حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے اکثر ایسا ہی کیا ہے (مشکوٰۃ صفحہ ۸۷) لیکن اسے فرض و واجب جاننا شدید گناہ ہے۔ چنانچہ سیدنا عبداللہ بن مسعود نے ائمہ مساجد کو خطاب کرتے ہوئے فرمایا۔ لَا یَجْعَلْ اَحَدُکُمْ لِلشَّیْطَانِ شَیْئًا مِنَ الصَّلٰوۃِ یَرٰی اَنَّ حَقًّا عَلَیْہِ اَنْ لَّا یَنْصَرِفَ اِلَّا عَنْ یَّمِیْنِہٖ۔ تم میں سے کوئی شخص اپنی نماز میں سے شیطان کو کچھ نہ دے کہ وہ یہ اعتقاد رکھے کہ نماز سے فارغ ہو کر دائیں طرف منہ پھیر کر بیٹھنا واجب و فرض ہے (مشکوٰۃ صفحہ ۸۷) معلوم ہوا کہ ادبِ نماز کو فرض کا درجہ دینا شیطانی کام ہے۔ امام شافعی اس سے محفوظ ہیں مفتری بدنصیب نے ان پر افترا باندھا ہے۔

جھوٹ ہی جھوٹ! قرآن و حدیث نے ہمیشہ سچ بولنے اور جھوٹ چھوڑنے کا حکم دیا ہے کیونکہ جب ایک جھوٹ بولا جائے تو اسے سچ ثابت کرنے کے لیے اور کئی جھوٹ بولنے پڑتے ہیں چنانچہ مندرجہ جھوٹی حکایت میں جھوٹوں پر پردہ ڈالنے کے لیے اور کئی طرح کے جھوٹ بولے گئے۔

● ایک رسلیہ میں فیصل آبادی وہابی نے حنفی نماز کے نقشہ میں رکوع کا ذکر کیا ہے حالانکہ اصل عربی عبارت میں کوئی لفظ ایسا نہیں جس کا ترجمہ رکوع کیا جائے۔

۲ یونہی اس نے نبیذ تمر کا ترجمہ گاڑھا شربت کیا ہے حالانکہ نہ نبیذ کا یہ ترجمہ ہے نہ اُسے نبیذ مستلزم ہے بلکہ کھجور ملے پتلے پانی پر بھی نبیذ کا اطلاق ہو سکتا ہے نیز عند الاحناف گاڑھے شربت سے وضو جائز نہیں۔ (ردالمحتار ج ۱ ص ۱۵۲)

۳ ھٰذِہٖ صَلٰوۃُ اَبِیْ حَنِیْفَۃَ کا ترجمہ رسلیہ میں لکھا ہے۔ یہ ہے حنفی مذہب کی کم از کم جائز نماز۔ اور پسروری وہابی لکھتا ہے۔ یہ ہے حنفی نماز۔ یہ دونوں ترجمے غلط ہیں۔ صحیح ترجمہ یہ ہے۔ یہ ابو حنیفہ کی نماز ہے (وہ یونہی پڑھا کرتے تھے) معاذ اللہ۔

۴ رسلیہ میں "مذہب الشافعی" کا ترجمہ عمل بالحدیث کیا گیا ہے حالانکہ یہ درست نہیں بلکہ قرآن مجید حدیث شریف اجماع امت اور قیاس شرعی سے ثابت شدہ ان مسائل کے مجموعہ کا نام "مذہب الشافعی" ہے جنہیں حضرت امام شافعی نے استنباط فرمایا۔ اور ان کے مقلدین نے ان مسائل میں ان کی تقلید کی۔

۵ پسروری وہابی نے "مَذْھَبُ اَبِیْ حَنِیْفَۃَ" کا ترجمہ حنفیت کیا ہے اور "مذہب الشافعی" کا ترجمہ امام شافعی والے مسلک پر کاربند ہونا۔ حالانکہ جب اس نے پہلے لفظ کا ترجمہ حنفیت کیا ہے تو دوسرے کا "شافعیت" کرنا چاہیئے تھا۔ مگر یہ انداز صرف اس لیے بدلا گیا۔ تاکہ پڑھنے والا دھوکا کھائے اور یہ نہ سمجھ سکے کہ سلطان نے بقول ان کے شافعیت اختیار کی تھی۔ جو کہ امام شافعی علیہ الرحمۃ کی تقلید سے عبارت ہے جسے شرک ثابت کرنے کے لیے اپنے دلوں کی طرح سینکڑوں صفحات کالے کر دیئے گئے اور پھر بھی نامراد رہے۔ ؎

نہ خدا ہی ملا نہ وصالِ صنم
نہ اِدھر کے رہے نہ اُدھر کے رہے

۶ پسروری وہابی نے "قفال" کے متعلق لکھا ہے کہ اس نے امام شافعی کے مسلک پر نماز پڑھی جو احادیث کے مطابق تھی حالانکہ عربی عبارت میں کوئی لفظ ایسا نہیں جس کا ترجمہ "احادیث کے مطابق تھی" کیا جائے۔

(سلطان محمود غزنوی کا فرضی واقعہ ص ۳۷)

(مطبوعہ مد پور)

(بقیہ ... سے کسی ایک ... وقت ... سے مسلک ... لغزا ... ملدو کا فر)

...سے ان کا حسن اعتقاد ظاہر ہو جاتا مگر لسپروری وہابی نے عبارت ...

عبارت میں اپنی طرف سے تصرف کیا اور ضمیر تثنیہ "عنہما" کو ضمیر مفرد "عنہ"

بنا دیا جس سے کلمہ دعائیہ صرف حضرت امام شافعی سے مختص ہو گیا۔ یہ فریب ...

کی مثال ہے۔

سوال: جب یہ حکایت اس قدر جھوٹی ہے تو اسے "حیوٰۃ الحیوان" میں جگہ کیوں دی گئی؟

جواب: مصنف نے اسے اثبات مسئلہ کے لیے ذکر نہیں کیا بلکہ رد کرنے کے لیے ذکر

کیا ہے چنانچہ انہوں نے "غَیْرُ مُسْتَقِیمٌ" کہہ کر اس مردود حکایت کو نادرست قرار

دے دیا ہے مگر مخالفین اپنی بدفہمی کی بنا پر رد کرنے والے کو راوی سمجھ رہے ہیں ؎

راد کو اس کا راوی گاتیں

کیا بے پرکی اڑاتے یہ ہیں

... مذکور میں اور بھی کئی جھوٹی کہانیاں ذکر کر کے ان کا رد کیا گیا ہے۔ چنانچہ دمیری

کہتے ہیں اِنَّمَا ذَکَرْتُہٗ لِاُنَبِّہٗ عَلٰی اَنَّہٗ لَا یُعْتَقَدُ صِحَّتُہٗ میں نے یہ کہانی اس لیے

ذکر کی تاکہ اس کا رد کر کے تنبیہ کروں کہ اس کی صحت کا اعتقاد نہیں رکھنا چاہیے۔

(حیات الحیوان ص ۲۶۶)

اس منگھڑت حکایت سے وہابی ہفت روزہ نام نہاد

... کی ناکامی: "الاسلام" نے ثابت کرنا چاہا کہ وہابی مذہب بھی پرانا ہے

ان کا یہ دعویٰ غلط اور غیر ثابت ہے کیونکہ محمود غزنوی علیہ الرحمت حنفی المذہب

اور قفال مروزی، شافعی المذہب۔ وہ سیدنا امام الاعظم ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ

کے مقلد تھے اور یہ سیدنا الامام الشافعی علیہ الرحمت کے۔ نہ وہ غیر مقلد ...

مذہب کے پیروکار اگر اس

شکل میں پیش ہوتا ۔ نقال پہلے

کے ساتھ کھاتا پھر سیر بھر پانی میں

پڑھتا اس کے ایک حصہ پر حیض کی

پر اسے جو تھے پر استحاضہ کا خون ملتا ۔ پھر

پھیلا کر مسجد ہی میں تھوکتے ہوئے نماز پڑھتا اور

وہابی مذہب کی نماز ۔ پھر ثبوت کے لیے " لغات

کی درج ذیل عبارات پیش کرتا ۔

اگر پکائی جائے اس کا کھانا درست ہوگا

بھی ہے اور پاک بھی ص۹۹م ۔ (۳) پانی

جب تک وصف نہ بدلے ص۲۲ ن

و ص۹ ۵۱ ۔ (۵) جانوروں کا پیشاب

۔ (۶) حیض کے سوا

نماز پڑھنا اور مسجد میں تھوکنا

فقہ حنفی و فتاوی عالمگیری پر اعتراضات کا

علمی محاسبہ

حصہ اول

از

شیخ الحدیث و التفسیر فقیہ العصر حضرت علامہ

والبیان الحافظ محمد احسان الحق صاحب رحمۃ اللہ علیہ

مدرس جامعہ رضویہ مظہر اسلام فیصل آباد

ناشر: